دلی کا پھیرا

از

ملا واحدی دہلوی

واحد تقسیم کنندگان

گلڈ ۔ انجمن کتاب گھر

نمبر ۳۔ صدر کو آپریٹو مارکیٹ

وکٹوریہ روڈ ۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دلّی کا پھیرا

۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۵۹ء

۱۳ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء کو دلّی سے چلا تھا۔ جب سے دلّی چھوٹی ہے دل میں خوشی کی لہر نہیں اٹھی اور آنکھوں میں مسرت کے آنسو نہیں آئے۔

قلبِ مضطر کوئی یوں ہر دم رہتا نڈھال
پھول بھی ہم نے بہت دیکھے ہیں کمھلائے ہوئے

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا　　دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

آج گیارہ سال، پانچ مہینے، تیئیس دن گذار کر دلّی جا رہا ہوں۔ خوشی کی لہر، اور مسرت کے آنسو ڈھونڈتے۔ لیکن یہ اب میری قسمت میں کہاں!

چلا ہے او دلِ راحت طلب کیا شادماں ہو کر
زمینِ کوئے جاناں رنج دے گی آسماں ہو کر

سفر کی عادت نہیں ہے۔ سفر کے تصور سے جی گھبراتا ہے۔ دو بڑی لڑکیاں، ماں کے مرنے کے بعد سے پھوپا پھوپی کے پاس اجمیر شریف تھیں۔ وہیں اُن کی شادیوں کی تقریبیں ہوئیں۔ میں ایک لڑکی کی شادی میں گیا تو

میرے منجھلے بھانجے فرید احمد میرے ہاں تھے۔ اُنھوں نے سفر کی گھبراہٹ دیکھ لی۔ دوسری لڑکی کی شادی کے وقت بہنوئی، خاں صاحب سیّد احمد صاحب نے لکھ دیا کہ آپ مت آئیے ـــــ مگر اے دلّی! تیرے لئے میں اتنے طویل سفر پر آمادہ ہو گیا ہوں۔

ٹھوکریں کھاتا ہوں لیکن جا رہا ہُں سوئے دوست
دیکھتا ہی کچھ نہیں ہیں اِس سفر کے سامنے

توبہ توبہ، شکایت نہیں کرتا۔ ناشکر گزار نہیں ہوں۔ دلّی کے فراق سے مجھے بہت سی نعمتیں ملی ہیں۔

غمِ عشق سی چیز مجھ کو فلک
ملی اور پھر کس قدر مل گئی

ایک کیفیت ہے، جو ساڑھے گیارہ سال سے طاری ہے۔ دلّی جا کر دوبارہ چرکا کھانا چاہتا ہوں، تاکہ اس کیفیت میں کمی نہ پڑ جائے اور باقی زندگی اسی کیفیت میں گزر جائے۔

زخمِ دل منظرِ مبادا بہ شود آگاہ باش
کایں جراحت یادگارِ ناوکِ مژگانِ اوست

کیفیت سے دست بردار ہونے کی کوئی صورت ہے تو فقط یہ کہ مدینہ منوّرہ حاضر ہو جاؤں اور وہاں کی فضا میں اپنے آپ کو گم کر دوں۔ ورنہ

بڑھا وصل سے اور بھی سوزِ عشق
یہ رونا رہا عمر بھر کے لئے

دلّی کا سفر پُر لطف ہوتا اگر سارا گھر جاتا۔ فقط میاں علی مقتدیٰ واحدی سنبھالنے کی غرض سے ہمراہ ہیں۔ کبھی میں انھیں لئے لئے پھرتا تھا۔ اب یہ

مجھے سنبھالیں گے۔ ذٰلک فضل اللہ۔

خیر عید کے تیسرے دن پونے چار بجے تیزگام میں سوار ہوا اور تیزگام نے لاہور کا رُخ کیا۔

مولانا ماہر القادری۔ مولانا ماہر دہلوی۔ مولانا رازق الخیری۔ مسٹر صادق الخیری۔ قاری عباس حسین۔ خواجہ علی نظامی۔ مسٹر انیس ہاشمی قیسی رامپوری۔ ڈاکٹر محمد الیاس، اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیلتھ سروسز۔ مسٹر لطیف الرحمٰن صدیقی۔ مسٹر محمود احمد خاں۔ ڈاکٹر ایم' اتیچ سجاد' ڈی۔ ڈی۔ ایس۔ مسٹر رضا' سکریٹری ڈاکٹر سجاد صاحب۔ مسٹر بدرالاسلام' اسسٹنٹ رجسٹرار کراچی یونی ورسٹی۔ بھائی وحید مرزا۔ رسالدار میجر حاجی کامیاب خاں رخصتی ملاقاتیں کرنے آئے۔ خان بہادر شیخ حبیب الرحمٰن او۔ بی۔ ای۔ نواب قمرالاسلام۔ حمید شاد خاں۔ محمد شریف خاں۔ احمد مجتبیٰ واحدی۔ موسیٰ رضا واحدی۔ عیسیٰ رضا واحدی۔ مسٹر خورشید احمد۔ مسٹر یامین۔ مسٹر احمد مصطفیٰ خاں۔ محمد علی۔ رخسانہ مسٹر اور عبدالرحیم من ہر نظامی نے ریلوے اسٹیشن تک مشایعت فرمائی۔ من ہر نظامی صاحب ایک اسٹیشن آگے تک ساتھ رہے۔ اِن سب کی یاد شریکِ سفر ہے۔

۱۳ اپریل ۱۹۵۹ء ریل میں وقت آرام سے کٹا۔ تیزگام کے انٹر کلاس کی تعریف سُنی تھی اور اُسی کی سیٹوں کو ریزرو کرایا تھا' جیسا سُنا تھا ویسا پایا۔ ایسا انٹر کلاس انگریزوں کے زمانے میں نہیں ہوتا تھا۔ بعض اعتبار سے یہ انٹر کلاس سیکنڈ سے اچھا ہے۔ کراچی اور لاہور کے درمیان ریگستان ہے۔ موجودہ انٹر کلاس کے شیشے کچھ اس طرح چڑھائے گئے ہیں کہ خاک نے بہت کم ستایا۔

روانگی سے قبل ڈبّے صاف بھی خوب تھے۔ لیکن صبح آنکھ کُھلی تو صفائی باقی نہیں رہی تھی'۔ ریل کا عملہ شاید صفائی کی طرف صبح شام توجہ کرنی ضروری نہیں سمجھتا۔ ڈائننگ کار کا انتظام بھی خراب ہے۔ کل شام خالی چاء کی دو پیالیاں ساڑھے دس آنے میں ملی تھیں۔ آج ناشتے کا فی کس تین روپے ایک آنہ چارج کیا گیا۔ چاء شام کی بھی بدمزہ تھی اور صبح کی بھی۔ صبح دودھ جو لایا گیا وہ پھٹ چکا تھا' مگر اُسے ڈائننگ کار والوں نے بدل ضرور دیا۔ رات کو ریگستان کا اندھیرا اور دن کو ریگستان دیکھتے دن کے ساڑھے بارہ بجے لاہور پہنچے —— ریگستان کی چاندنی راتیں بھی دیکھنے کے لائق ہیں' اور ریگستان کی اندھیری راتیں بھی۔

لاہور ریلوے اسٹیشن پر خواجہ فضل احمد خاں شیدا۔ قاضی عبدالواحد سابق کسٹوڈین شاہی قلعہ لاہور۔ پرنس خیرالدین خورشید جاہ۔ ہیڈ آف دی ایکس مغل رائل فیملی اور میاں ممتاز احمد موجود تھے۔ اسٹیشن سے میاں احمد حسین کے ہاں گلبرگ کالونی آئے۔ احمد حسین میرے سب سے بڑے بھانجے ہیں اور ممتاز احمد سب سے چھوٹے بھانجے۔ پرنس خیرالدین صاحب نے کراچی تار بھی بھیجا تھا اور آج بھی اصرار فرمایا کہ میرے ہاں قیام کیجئے۔ میں نے عرض کیا کہ قیام تو یہیں رہنے دیجے۔ اپنے ذمّے لاہور کا دکھانا اور جن جن سے میں یہاں ملنا چاہتا ہوں' اُن سے ملانا رکھئے۔ کل علی الصباح وہ اور قاضی صاحب اور شیدا صاحب آئیں گے اور ہم لاہور کا گشت کرنے نکلیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

۱۴ اپریل ۱۹۵۹ء پچاس برس پُرانی بات ہے میں ایک دفعہ لاہور آیا تھا۔ جب (سر) شیخ عبدالقادر نے دفتر وکالت دِلّی سے لاہور منتقل کیا ہے اور ڈاکٹر محمد اقبال نے نئی نئی وکالت

شروع فرمائی ہے۔ مجھے اور حضرت خواجہ حسن نظامی کو غلام غوث صمدانی (سابق اسٹیٹ انجنیئر بہاولپور) کی شادی میں جالندھر جانا پڑا تھا۔ صمدانی صاحب اُن دنوں علی گڑھ کالج کے طالبعلم تھے، اور ہم لوگوں کے دوست تھے۔ جالندھر میں خواجہ صاحب نے کہا، ڈاکٹر صاحب اور شیخ صاحب سے ملتے چلیں۔ ہم گیارہ بجے کے قریب ڈاکٹر صاحب کے دفتر پہنچے۔ شیخ صاحب کو بھی وہیں بُلا لیا گیا۔ دوپہر سے رات تک چاروں دفتر میں بند بیٹھے رہے۔ جو انارکلی بازار میں تھا۔ رات کے نو بجے ڈاکٹر صاحب اور شیخ صاحب ہمیں اسٹیشن پہنچا گئے۔ انارکلی بازار کا تو تھوڑا سا تصور ہے۔ لیکن اسٹیشن سے انارکلی اور انارکلی سے اسٹیشن کا مطلق تصور نہیں۔ لہٰذا اس آنے کو نہ آنا ہی سمجھنا چاہیئے اور میں لاہور دیکھنے گویا آج پہلی دفعہ نکل رہا ہوں۔

سوا آٹھ بجے پرنس خیرالدین اور بھائی فضل احمد صاحب تشریف لے آئے۔ اُن دونوں کے ہمراہ ہم دونوں (باپ بیٹے) شاہی مسجد پہنچے۔ شاہی مسجد کے دروازے پر ایک طرف علامہ اقبال مدفون ہیں اور دوسری طرف سر سکندر حیات۔

میں تربتِ اقبال کے سامنے کھڑا ہوں اور مجھے ۱۹۰۵ء کا وہ دن یاد آرہا ہے کہ اقبال تکمیل علوم وفنون کرنے یورپ جارہے ہیں۔ میر غلام بھیک نیرنگ اور شیخ محمد اکرام (معاون مدیر مخزن) نے اُن کا لاہور سے دِلّی تک ساتھ دیا اور دلّی میں منشی نذر محمد (ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز، دلّی) اور خواجہ حسن نظامی ریلوے اسٹیشن پر پیشوائی کو پہنچے۔ ریل سے اُتر کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اقبال نذر محمد صاحب کے مکان میں ٹھیرے جو ریلوے اسٹیشن کے قریب تھا۔ وہاں سے قافلہ درگاہِ آسمان پائے گاہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ میں حاضر ہوا اور اقبال نے مزار کے پاس تخلیہ کراکر مندرجہ ذیل نظم پڑھی

اور پارٹی کی خاطر باہر کھڑے ہوکر اسے دوبارہ سُنایا۔

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا — بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی — مسیح و خضر[1] سے اونچا مقام ہے تیرا
ترے وجود سے روشن ہے راہ منزل شوق — دیار عشق کا مصحف کلام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبّت میں رنگِ محبوبی — بڑی ہے شان، بڑا احترام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم — نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
کرم کرم، کہ غریب الدیار ہے اقبال — مُرید پیرِ نجف ہے، غلام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم، داغِ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم، گلِ بہار توام

کیا ہے تیرا مقدر نے مدح خواں مجھ کو — مجھے ہزار مبارک، مری زباں مجھ کو
بھلا ہو دونوں جہاں میں حسن نظامی کا — مِلا ہے جس کی بدولت یہ آستاں مجھ کو
مرے سفینے کو تو نے کنارہ بوس کیا — اماں نہ دیتا تھا جب بحرِ بیکراں مجھ کو
فلک نشین صفت مہر ہوں زمانے میں — تری دُعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
رہوں میں خادمِ خلقِ خدا جیوں جب تک — نہیں ہے آرزوئے عمرِ جاوداں مجھ کو
قسم ہے اپنے دلِ دردمند کی آقا! — تری ثنا کے لئے حق نے دی زباں مجھ کو

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

اقبال کی آواز میں درد اور لہجے میں رقت ہے۔ احباب، اور دوسرے حاضرین بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص آفریں اور آمین پکارنے لگتا ہے۔ درگاہ سے پارٹی خواجہ حسن نظامی کے گھر جاتی ہے اور لنگر کا کھانا کھاتی ہے۔ خوش گلو قوال ولایت خاں[2] جو ابھی نوعمر ہے غالب کی غزلیں گاتا رہتا ہے۔

[1] شاعرانہ مبالغہ ہے [2] مرحوم۔

خواجہ صاحب کے پاس سے سب مرقد غالب پر جاتے ہیں۔ میر نیرنگ مرقد کے سرہانے لوحِ مرقد پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ اُن کے دائیں جانب اقبال عالمِ محویت میں سرنگوں ہیں۔ باقی حضرات مرقد کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔ دو بجے کا وقت ستمبر کا مہینہ۔ دھوپ تیز اور ہوا بند۔ مگر کسی کو گرمی کا خیال نہیں آتا۔ ولایت دست بستہ عرض کرتا ہے۔ حضور! مرزا صاحب کی ایک غزل اجازت ہو تو پیش کروں۔ سرود بہ مستاں یاد دہانیدن۔ یہاں کسے عذر تھا۔ ولایت نے کہا۔

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی دونوں کو ایک ادا میں رضامند کر گئی

اور اِن دو شعروں نے ہلچل مچادی ۔

اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارے اب اے ہوا! ہوس بال و پر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اُٹھئے، بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

غزل ختم ہوئی اور کئی منٹ میں ہوش بجا ہوئے تو پارٹی اُٹھی۔ اقبال نے غالب کی لوحِ تربت کو بوسہ دیا اور دلّی ریلوے اسٹیشن کا راستہ لیا۔

میں نے مزار اقبال پر فاتحہ پڑھ کر شاہی مسجد کے اندر قدم رکھا۔ اورنگ زیب کی اِس یادگار نے شاہجہاں کی یادگار کا نقشہ سامنے لا کھڑا کیا۔ فرق فقط اتنا ہے کہ شاہجہاں کی جامع مسجد میں ایک انچ بڑھنے اور ایک انچ گھٹنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اورنگ زیب کی جامع مسجد کا صحن ذرا غیر متناسب ہے۔ جامع مسجد لاہور کی بابت بھائی فضل احمد صاحب نے بتایا کہ جب بہ سلسلہ ملازمت ۱۹۰۱ء میں وہ لاہور آئے تو صحن کی تینوں سمتیں کھنڈر ہو رہی تھیں۔ اُنھوں نے کچھ حصے دکھائے جو آج بھی کھنڈر ہیں اور فرمایا کہ تینوں سمت یہ حالت تھی۔ اللہ سکندر حیات کو کروٹ کروٹ جنت

عطا فرمائے اُس نے توجّہ کی اور اتنا روپیہ جمع کر دیا اور ایسا بندوبست کیا کہ مرمّت ہو رہی ہے اور مسجد دُلہن بنتی جاتی ہے۔ مسجد سے باہر آ کر مرقد سر سکندر حیات پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔ علاّمہ اقبال سے عمر بھر تعلق رہا۔ سر سکندر سے صرف ایک مرتبہ سر شری رام (دلّی کلاتھ ملز) کے کسی ایٹ ہوم میں ملا تھا۔

شاہی مسجد سے اپنے خالہ زاد بھائی سیّد معین الدین کے ہاں گیا۔ اُن کے مکان کے نیچے ڈاکخانہ ہے۔ مسٹر ولی اشرف صبوحی دہلوی، اُردو کے مشہور و معروف افسانہ نویس اور ادیب وہاں پوسٹ ماسٹر ہیں، اُن سے مِلا۔ پھر مسٹر مظہر انصاری کے پاس پہنچا۔ مظہر انصاری صاحب بھی دِلّی کے پرانے لکھنے والے ہیں۔ قندیل لاہور اور ہمایوں لاہور کے اسسٹنٹ ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ اب کتابوں کی دوکان کر لی ہے۔ دوپہر کا کھانا پرنس خیر الدین کے ساتھ کھایا۔ کھانا کھا کر بھائی فضل احمد کے ہاں دو گھنٹے ٹھیرا۔ بھائی صاحب کے مکان اور پرنس کی کوٹھی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ پھر بھائی فضل احمد کی بیٹی صغیرہ اور داماد سیّد افضال حیدر زیدی کے ہاں ہوتا اور پروفیسر سیّد صغیر علی فرید آبادی۔ مولوی شمس الاسلام حقّی۔ مسٹر حمید نظامی اور خواجہ محمد شفیع سے ملتا قیام گاہ آ گیا۔

آج چوہدری نذیر احمد خاں صاحب (پریذیڈنٹ بار ایسوسی ایشن لاہور)[1] نے مجھے، میرے لڑکے علی مقتدیٰ واحدی اور میرے بھانجے احمد حسین کو شام کے کھانے کی دعوت دی تھی۔ احمد حسین طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے نہیں جا سکے۔ کھانے میں کراچی کے سابق میئر اور سندھ کے رئیس مسٹر حاتم علوی بھی شریک تھے، اُنھوں نے ہی ہمیں واپس قیام گاہ پہنچایا۔

---

[1] قائدِ ملّت لیاقت علی خاں کے زمانے میں وزیرِ نعت تھے۔ اب جنرل محمد ایوب خاں نے پاکستان کا اٹورنی جنرل مقرر کیا ہے۔

۱۵ اپریل سنہ ۱۹۵۹ء

دو روز سے یہ ہو رہا ہے کہ پرنس خیر الدین اور بھائی فضل احمد صبح آٹھ بجے آجاتے ہیں۔ پرنس تھوڑی دیر ساتھ پھرتے ہیں۔ پھر موٹر ہمارے حوالے کر کے خود کرائے کی سواری میں اپنے کاموں کے لئے چلے جاتے ہیں۔ بھائی فضل احمد صاحب شام تک رہتے ہیں۔ بھائی مجھ سے آٹھ نو سال بڑے ہیں۔ اسّی سے اوپر عمر ہے۔ انھیں میں نے تھکا مارا ہے۔ میں بھی خلاف معمول مصروفیت سے تھک جاتا ہوں۔ لیکن لاہور کب کب آؤں گا اور دلّی کب کب جاؤں گا۔

تھک کر مر بھی جاؤں تو کیا ہے اور بھائی صاحب کی اسی طرح لکھی ہے، تو اسے کون روک سکتا ہے۔

آج اوّل حضرت داتا گنج بخشؒ کی درگاہ میں حاضر ہوئے۔ وہاں سے پرنس کو رخصت کیا اور بھائی کو پکڑے رکھا۔ اُن کے بغیر لاہور دیکھ کیسے سکتا ہوں۔ لاہور دیکھنا ہے تو انھیں تکلیف دینی ہی پڑے گی۔ انھیں فہرست دے دی ہے کہ ان ان صاحبان سے ملنا چاہتا ہوں۔ جن کا مکان راستے میں آجائے، گاڑی رکوائیے، اور ملوا دیجیے۔

آج ملنے فقط آغا شورش کاشمیری سے گیا تھا۔ مولانا محمد ادریس (برادر سحبان الہند مولانا احمد سعید) کی دکان شورش صاحب کے پڑوس میں ہے۔ مگر ادریس صاحب دلّی گئے ہوئے تھے۔

شورش صاحب کے ہاں سے جہانگیر کے مقبرے گیا۔ جہانگیر کا مقبرہ ہمایوں کے مقبرے سے بڑا ہے لیکن اُس کی وضع قطع ہمایوں کے مقبرے اور منصور کے مقبرے کے مشابہ ہے۔ شاہی مسجد نے دلّی کی جامع مسجد کو سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ حضرت داتا گنج بخش کی درگاہ نے حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ کا نقشہ کھینچ دیا۔ جہانگیر کے

مقبرے میں ہمایوں اور منصور کے مقبروں کی فضا ہے۔ چرکوں کی ابتدا ہو گئی۔ درگاہ حضرت داتا گنج بخشؒ میں خواجہ غریب نواز سلطان الہند حضرت معین الدین اجمیریؒ کا چلّہ ہے۔ جہاں خواجہ خواجگان معتکف رہے ہوں، وہاں کی عظمت کا کیا ٹھکانا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش کی درگاہ میں جو مسجد ہے اُس کی پیشانی پر اس قسم کے ارشادات مرقوم ہیں:

۱۔ جس کام میں نفسانی غرض شامل ہو جائے اُس سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔

۲۔ "نماز ایسی عبادت ہے کہ طالبانِ حق اللہ تعالیٰ کی راہ میں ابتداء سے لے کر انتہا تک اِس ذریعے سے راستہ پاتے ہیں۔"

یہ ارشادات داتا صاحب کے ہیں۔

جہانگیر کے مقبرے کے برابر آصف خاں کا مقبرہ ہے، اور اُس کے برابر نورجہاں کا مقبرہ۔ نورجہاں، جس کا نام جہانگیر کے نام کے ساتھ سکّہ پر کندہ کیا جاتا تھا۔ جہانگیر سے ذرا دور سو رہی ہے۔ قبر شکستہ ہو گئی تھی۔ حکیم اجمل خاں نے اسے درست کرایا۔ حکیم صاحب کی طرف سے ایک کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ مگر قبر سے الگ گنبد کی دیوار میں۔ قبریں گنبد کے نیچے دو ہیں۔ خدا معلوم نورجہاں کی قبر کونسی ہے۔ ممکن ہے حکیم صاحب کو بھی معلوم نہ ہو، اور اسی لئے لوحِ مزار، مزار پر نہ لگائی ہو۔

آصف خاں، نورجہاں کا وہ بھائی تھا جس کی بیٹی ممتاز محل شاہجہاں کی ملکہ تھی۔ آصف خاں نے شاہجہاں کو تخت دلانے میں نورجہاں کا مقابلہ کیا تھا۔ نورجہاں شہریار کو بادشاہ بنانا چاہتی تھی جو اُس کا داماد تھا۔ شیر افگن سے جو بیٹی ہوئی تھی وہ شاہزادہ شہریار سے منسوب تھی۔

جہانگیر کے مقبرے میں رونق ہے۔ آصف خاں اور نورجہاں کی قبریں عالمِ کس پرسی میں ہیں۔ جہانگیر اور نورجہاں دونوں لاہور کے عاشق تھے۔ یہاں کی مٹی کو دار السلطنت آگرہ کی مٹی پر دونوں نے ترجیح دی تھی۔ نورجہاں کا ایک شعر

صلاح الدین صاحب (ایڈیٹر ادبی دُنیا) نے سُنایا کہتی ہے ؎

لاہور را بجان برابر خریدہ ایم
جان دادہ ایم و جنّتِ دیگر خریدہ ایم

بارہ بجے قیام گاہ لوٹ آئے۔ بھائی فضل احمد صاحب کو آرام کرنے کی مہلت دے دی۔ میں بھی کچھ لکھتا رہا کچھ سوتا رہا۔ چار بجے پرنس خیر الدین صاحب نے فون کیا کہ موٹر بگڑ گئی ہے۔ ورکشاپ بھیج رکھی ہے۔ آپ کوئی اور انتظام کر کے حمید نظامی صاحب کے ہاں چلے جائیے۔ حمید نظامی صاحب (ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت) نے مجھے چاء نوشی کے لئے بلایا ہے۔ پانچ بجے اُن کے ہاں ہونا چاہئے۔ اب کیا کروں۔

گلبرگ لاہور کی ایسی کالونی ہے جہاں کا ہر مکین موٹر نشین ہے۔ کرایہ کی سواری یہاں آسانی سے نہیں ملتی۔ میرے بھانجے سیّد احمد حسین کے پاس بھی موٹر ہے۔ لیکن وہ ہمہ وقت اُن کے کام میں رہتی ہے۔ احمد حسین کی طبیعت آج کل اچھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اُنھیں مسلسل مصروف دیکھتا ہوں۔ ابھی دفتر میں ہیں، ابھی ایرپورٹ۔ احمد حسین پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کی لاہور برانچ کے منیجر ہیں۔

خیر میں نے احمد حسین کے بیٹے اور اپنے پوتے آصف کو رہنما بنایا اور پیدل تانگے کی تلاش میں نکلا۔ آدھ گھنٹے کے بعد ایک خالی تانگہ دکھائی دیا جو کسی کو پہنچا کر واپس جا رہا تھا۔ میل ڈیڑھ میل کا سفر طے کیا ہوگا کہ پرنس کی موٹر تعاقب کرتی آ گئی اور موٹر نے ٹھیک پانچ بجے حمید نظامی صاحب کی کوٹھی میں جا اتارا۔ بھائی فضل احمد صاحب پرنس کے ساتھ تھے۔

حمید نظامی صاحب نے میاں بشیر احمد ایڈیٹر ہمایوں (سابق سفیر پاکستان برائے ترکی) ڈاکٹر جاوید اقبال۔ بیرسٹر (فرزند علامہ اقبالؒ) مسٹر صلاح الدین (ایڈیٹر ادبی دنیا) آغا شورش کاشمیری (ایڈیٹر اخبار چٹان) خواجہ عبدالرحیم بیرسٹر (سکریٹری بزم اقبال لاہور) اور کئی

اور حضرات کو مدعو کیا تھا۔ میری طبیعت کے مطابق اجتماع تھا۔ یہ اجتماع کافی دیر رہا۔

۱۶ اپریل ۱۹۵۹ء

آج دوپہر کا کھانا بھائی فضل احمد صاحب کے ہاں کھانا ہے۔ اس لئے وہ تشریف نہیں لا سکے۔ اُن کے ہاں جانے سے قبل میں چوہدری غلام احمد صاحب پرویز سے ملا۔ پھر میاں سلطان احمد صاحب وجودی کے گھر گیا۔ وجودی صاحب موجود نہیں تھے۔ وجودی صاحب کے گھر سے حضرت شاہ ابو المعالیؒ کی درگاہ میں حاضر ہوا۔ اس درگاہ کو لوگوں نے بے غور اچھوڑ رکھا ہے۔ گیارہ بجے تک جھاڑو نہیں دی گئی تھی۔ گنبد کی چھت کہیں کہیں ہو رہی ہے۔ مقبرہ جہانگیر کے مناروں کی طرح نہ جانے کب گر پڑے اور کب دو چار جانیں لے لے۔

دوپہر کو بھائی فضل احمد کے ہاں دعوت تھی اور شام کو آغا شورش کاشمیری کے ہاں۔ آغا صاحب نے متعدد نئے حضرات سے ملاقات کا موقع دیا۔ خواجہ عبدالرحیم اور مسٹر حمید نظامی کی بھی ایک دفعہ اور صورت دیکھ لی۔ مرحوم جرنلسٹ سید حبیب شاہ کے برادر زادے سیّد عنایت شاہ اور ڈاکٹر گلر فوڈا، میاں محمد شفیع بھی شریک طعام تھے۔ سیّد عنایت شاہ پاکستان کے مشہور فلمساز ہیں۔

۱۷ اپریل ۱۹۵۹ء

احمد حسین کی طبیعت آج اتنی مضمحل ہے کہ دفتر نہیں جا سکے۔ اُن کی دلہن میری ہر بات کا خیال رکھتی ہیں کل اُنھوں نے احمد حسین سے کہا، ماموں صاحب کل اور بڑے بَبّا کا ملنا رہا جاتا ہے۔ بڑے بَبّا یعنی خان بہادر سید محمد، میرے پھوپھی زاد اور میرے بہنوئی خان صاحب سید احمد کے حقیقی بڑے بھائی۔

مجھے علم نہ تھا کہ خان بہادر صاحب لاہور کی سکونت اختیار کر چکے ہیں۔ محکمہ نمک کی اسسٹنٹ کمشنری سے پنشن لینے کے بعد وہ دِلّی کلاتھ مل والوں کے

محکمہ شکر سازی (دو دالہ مل) کے منیجر ہو گئے تھے اور وہاں سے ۱۹۴۷ء میں لائلپور کاٹن مل آ گئے تھے۔ میں احمد حسین کی موٹر لے کر صبح سوا آٹھ بجے بھائی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میجر رفیق بھائی صاحب کے منجھلے داماد بھی تشریف فرما تھے۔ رفیق صاحب میرے دوست خواجہ احمد اللہ مرحوم کے فرزند ہیں۔

ڈیڑھ بجے پرنس خیر الدین۔ قاضی عبد الواحد اور خواجہ فضل احمد خاں شیدا آ گئے اور ہم سب نماز جمعہ کے لئے گئے۔ پرنس نماز جمعہ درگاہ حضرت داتا صاحب کی مسجد میں پڑھا کرتے ہیں۔ وہ وہاں اتر پڑے۔ ہم شاہی مسجد پہنچے۔ شاہی مسجد میں ولی اشرف صبوحی منتظر تھے۔ انھیں بھی ساتھ لیا اور شاہی قلعہ دیکھنے چلے۔

قاضی عبد الواحد صاحب محکمہ آثار قدیمہ کے آدمی ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد سے اسی شاہی قلعہ کے کسٹوڈین تھے۔ پچھلے سال پنشن ہوئی ہے۔ قلعہ کو دکھانے والا ان سے بہتر کون ہو سکتا تھا۔ قلعہ کا چپہ چپہ دکھایا۔ قلعہ میں اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہاں اور عالمگیر کی یادگاریں ہیں اور کہیں کہیں عہد رنجیت سنگھ کے نشانات بھی۔ جہانگیر اور شاہجہاں کی خوابگاہوں نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ شاہجہاں کی لاہوری خوابگاہ کا دلی کے لال قلعہ میں بھی جواب نہیں ہے۔ باقی عمارتوں کی نسبت قاضی صاحب کا یہ ریمارک لکھ دینا کافی ہے کہ شاہجہاں نے یہاں اپنے طرز تعمیر کی بنیاد ڈالی اور دلی اور آگرہ میں اس کی تکمیل کر دی۔ میں تو یہاں کی ہر چیز کو دیکھ کر کہہ رہا ہوں ع

اے گل بہ تو خورسندم تو بوئے کسے داری

شاہی قلعہ میں قلعہ کے ہیڈ کلرک صاحب نے چائے پلائی۔

شاہی قلعہ سے شالامار باغ پہنچے۔ شالامار میں ہماری خاطر فوارے چلا دیئے گئے تھے اور شالامار کی بہار کو مکمل کر دیا گیا تھا۔ عصر کی نماز شالامار کے مخملی

فرش پر ادا کی۔

شالامار باغ سے درگاہ حضرت میاں میرؒ گئے۔ حضرت کے مزار پر اور حور بانو بنت خواجہ حسن نظامی کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ درگاہ حضرت سلطان المشائخ کی حور بانو درگاہ حضرت میاں میرؒ میں دفن ہیں۔

درگاہ حضرت میاں میرؒ سے پرنس خیر الدین کی کوٹھی آئے۔ بے ضابطہ تو اُن کا دسترخوان ہر وقت بچھا رہا لیکن آج باضابطہ دعوت ہے۔ مسٹر حمید نظامی۔ آغا شورش کاشمیری۔ سید احمد حسین۔ خواجہ فضل احمد شیدا۔ خواجہ ظہیر احمد اور قاضی عبد الواحد وغیرہ بلائے گئے ہیں۔ میرے ساتھ علی مقتدیٰ واحدی تو ہر جگہ ہوتے ہی ہیں۔

۱۸ اپریل ۱۹۵۹ء آج انشاء اللہ دلی روانہ ہونا ہے۔ لاہور سے جا رہا ہوں۔ مجھے لاہور بہت پسند آیا۔ کراچی کی بے آبی اور بے گیاہی کا لاہور بدل ہے۔ پاکستان میں بہ حیثیت مجموعی اس جیسا شہر دوسرا نہیں۔ افسوس میں نے اسے پہلے کیوں نہ دیکھا۔ بار بار دیکھنے کے لائق شہر ہے۔ مگر میں اب بار بار کہاں دیکھ سکتا ہوں۔ لاہور باغوں کا شہر ہے اور یہاں کے لوگوں میں زندگی ہے۔ لاہور میں پنجاب کے تمام اوصاف سمٹ کر جمع ہو گئے ہیں اور تعلیم نے اُن پر صیقل کر دی ہے۔ لاہور والوں کے پاس آنکھیں ہیں، جن سے وہ دیکھتے ہیں، دل ہے، جس سے وہ محسوس کرتے ہیں، دماغ ہے جس سے وہ سوچتے ہیں۔ تندرستی ہے، جو اُن سے عمل کراتی ہے۔ وہ سوچتے نہیں رہ جاتے، کر کے دکھاتے ہیں۔

اُردو کا مستقبل اہل پنجاب کے ہاتھ میں ہے، وہ پاکستان میں ہوں یا ہندوستان میں، مسلمان ہوں یا ہندو اور سکھ۔ لاہور پنجاب کا دل ہے۔ اچھا

لاہور خدا حافظ۔ تجھے معلوم رہے کہ میں اُس دور میں پیدا ہوا تھا جب دلّی صوبہ پنجاب میں تھی۔ اور ۱۹۱۱ء کے بعد بھی مجھے جن باہر والوں سے واسطہ رہا ہے وہ سب پنجاب کے تھے۔

ساڑھے بارہ بجے احمد حسین کی کوٹھی سے رخصت ہوا۔

کراچی میں میری ایک پوتی ہے۔ میرے لڑکے احمد مجتبےٰ واحدی کی بیٹی۔ اُسے میں نے مینا کا خطاب دیا ہے۔ لاہور میں بھی مجھے ایک پوتی مل گئی۔ میرے بھانجے احمد حسین کی بیٹی۔ وہ ماشاء اللہ بُلبُل ثانی ہے۔ بُلبُل میں اُس کی پھوپی یعنی اپنی بھانجی اُمتہ النصیر کو کہا کرتا تھا۔ بُلبلِ ثانی کو غالباً اللہ میاں نے بتا دیا ہے کہ دادا ابّا صرف اُسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اُن کی طرف توجہ کرنے میں پہل کرے۔ میں اپنے دل پر بُلبلِ ثانی کا نقش لیے جاتا ہوں۔

آج صبح مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے ملا تھا۔

بھائی فضل احمد اور پرنس خیر الدین ٹرین میں سوار کرانے آئے۔

بھارت کے مسافروں کو ٹرین میں سوار ہونے سے قبل ایک برزخ سے سابقہ پڑتا ہے، جسے قبر تو نہیں کہتے، چک پوسٹ کہتے ہیں، لیکن مجھے یہی محسوس ہوا کہ قبر میں پہنچا دیا گیا ہوں اور ساتھی منکر نکیر کے حوالے کر کے واپس چل دیئے ہیں۔ پرنس نے غالباً میرے احساس کو محسوس کیا اور وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر بھائی صاحب سمیت چک پوسٹ میں داخل ہو گئے۔ وہاں کی فضا ایسی تھی کہ میرا جی چاہا کہ دلی کا خیال ترک کر دوں اور کراچی کے ٹکٹ منگا لوں۔

مسٹر سلیم الدین، انجنیئر ہم سفر ہیں۔ سلیم صاحب فرسٹ کلاس میں ہیں اور ہم سکنڈ کلاس میں۔ سلیم صاحب ہمارے پاس برابر پھیرے کرتے رہے۔ اُن سے کافی مدد ملی اور تقویت رہی۔

امرت سر چک پوسٹ کا منظر بھی لاہور چک پوسٹ جیسا تھا۔ ہم کراچی سے قریباً بے سامان آئے ہیں اور انشاء اللہ دلّی سے بے سامان جائیں گے اور شاید ہماری صورتوں پر یہ بات لکھی ہوئی ہے۔ چک پوسٹ لاہور میں ہم سے فقط اتنا پوچھا گیا کہ پاکستانی روپے کتنے ہیں۔ پاکستانی روپے ہمارے ہاتھ میں تھے۔ ہم نے سامنے رکھ دیئے۔ امرتسر چک پوسٹ میں اتنا بھی نہیں پوچھا گیا۔

چک پوسٹوں کو پُل صراط بنانے والے عملے سے زیادہ مسافر ہوتے ہیں۔ خصوصاً مسافر عورتیں۔

امرتسر میں دو میاں بیوی تشریف لائے۔ خاصی اچھی حیثیت کے۔ بیوی نے چک کرنے والے کو بتایا کہ میرے شوہر پنشنر ڈپٹی پوسٹماسٹر ہیں۔ میاں زیادہ بوڑھے تھے۔ بیوی بھی بوڑھی تھیں، مگر شاید دوسری بیوی ہوں۔ بیوی نے چک کرنے والے سے بات چیت کی۔ میاں سعادتمند شوہر بنے خاموش کھڑے رہے۔ بیوی کے نزدیک قانون کی خلاف ورزی گویا کہ معمولی چیز تھی۔ انھوں نے اپنی بھی مٹی پلید کرائی اور معصوم شوہر کو بھی ذلیل کرایا۔

لاہور سے دلّی تک کے سفر میں ہمیں ویسا آرام نہیں ملا۔ جیسا کراچی سے لاہور تک کے سفر میں ملا تھا، حالانکہ لاہور تک ہم انٹر کلاس میں آئے تھے۔ اور لاہور سے دلّی تک سیکنڈ کلاس میں آئے۔ تیز گام کا انٹر فرنٹیر میل کے سیکنڈ سے زیادہ صاف ستھرا اور آرام دہ ہے۔

۱۹ اپریل ۱۹۵۹ء

کیا مرا چاند نکلنے کو ہے اے ہم سفرو!
میری پلکوں پہ ستارے سے یہ لرزاں کیوں ہیں

آنکھ کھُلی تو میرٹھ کا اسٹیشن پیشِ نظر تھا۔ میرٹھ ہم اور خواجہ حسن نظامی صاحب اکثر آیا کرتے تھے۔ جب بھیّا احسان الحق میرٹھ کے

رئیس تھے، میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ راستے کا ہر اسٹیشن جانا پہچانا تھا۔ اگرانہیں، ریل میں بیٹھا دیکھتا رہا۔ اسٹیشنوں کی عمارتیں نہیں بدلی ہیں۔ تختیاں بدلی گئی ہیں۔ اُردو کو اُن پر سے ہٹا دیا ہے۔ دلّی کا اسٹیشن بھی حسب سابق تھا۔ اضافے ہوئے ہوں گے تو دور ہوئے ہوں گے۔

میرے پھوپی زاد بھائی قاری سرفراز حسین مرحوم کے فرزند قاری اخلاق حسین اور میرے خالہ زاد بھائی خاں صاحب سیّد محمد ادریس کے فرزند مطیع احمد اور دوسرے خالہ زاد بھائی سیّد محمد اسحاق کے فرزند رئیس احمد[۱] موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ ۱۵ اپریل سے تینوں روزانہ آرہے ہیں۔ اور صاحبان بھی آتے تھے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی سلطان جی سے آکر واپس گئے۔ خواجہ انیس حسن بقائیؒ سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور شاہ صابر حسین، سجادہ نشین درگاہ حضرت صابر بخشؒ اور حکیم عبدالسّلام غزنوی کی بابت بھی سُنا کہ آتے رہے۔

میں نے لکھ دیا تھا کہ عنقریب دِلّی پہنچوں گا۔ یہ نہیں لکھا تھا کہ کس دن اور کس وقت پہنچوں گا۔ میں احباب کو تکلیف سے بچانا چاہتا تھا۔ مگر انھیں اتنی زیادہ تکلیف ہوئی۔ مجھے اِس کا افسوس ہے۔ میرے اندازے کی غلطی تھی۔

میرا خیال تھا کہ مقتدیٔ بھائی ادریس صاحب کے ہاں اخلاق حسین صاحب کی موٹر میں چلے جائیں گے اور میں صبح کی واکنگ کرتا گرتا پڑتا پہنچوں گا۔ لیکن اسٹیشن سے باہر نکلا تو دِلّی کی دُنیا تبدیل پائی۔ راستہ نہ سمجھ سکا۔ لہذا موٹر میں

---

[۱] مطیع احمد اور رئیس احمد کو میں نے نہیں پہچانا تھا۔ رشتے یوں منقطع ہوا کرتے ہیں، ورنہ دنیا میں کون ہے جس سے کہیں نہ کہیں پہنچ کر میرا اور آپ کا تعلق نہ نکل آئے گا۔ خیر ابھی ہمارے رشتہ داروں کی اور ہماری صرف قومیت میں فرق پڑا ہے۔ وہ بھارتی اور ہم پاکستانی۔ سب ایک قوم نہیں رہے۔

بیٹھ گیا۔ اوّل سیدھا چاندنی محل گیا۔ جہاں کبھی تحصیل تھی، وہاں اب پاکستان سے جامع مسجد کی طرف آنے والوں کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اپنی حاضری درج کرانی ہوتی ہے۔ وہ کمرہ دیکھتا رہا جس میں میرے مرحوم دوست میر محمد حسین، تحصیلدار عدالت کیا کرتے تھے۔ خاص اسی کمرے میں رپورٹ درج کی جاتی ہے۔

چاندنی محل سے بھائی محمد ادریس صاحب کے ہاں پہنچا۔ غسل کیا۔ چائے پی۔ اور فوراً جامع مسجد جاکر دو نفل پڑھے۔ مولوی عبدالحمید صاحب ایڈیٹر رسالہ مولوی آگئے تھے، وہ ہمراہ تھے۔ پھر مولوی امراؤ حسن خاں صاحب تشریف لے آئے۔ وہ ریلوے اسٹیشن بھی گئے تھے۔ پیرزادہ عبدالحق فاروقی آگئے۔ جامع مسجد سے پوری پارٹی مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے مزارات پر حاضر ہوئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایک وسیع کٹہرے میں، خوشنما چھت کے نیچے آرام فرما ہیں۔ چاروں جانب سر سبز لان ہے اور پانی سے بھرے حوض ہیں۔

راستے میں وکٹوریا زنانہ ہسپتال رُکا۔ بھتیجی صابرہ کی عیادت کی اور بھانجے کو سلام کیا۔ ہسپتال کے قریب عزیز محمد خاں حسن پوری مل گئے۔

اب میں پہلے مُردوں سے ملوں گا۔ درگاہ صابریہ[۱]، دریا گنج میں حضرت شاہ صابر بخشؒ اور حضرت شاہ میر عبداللہؒ[۲] کے مزارات پر فاتحہ خوانی کی۔ ان حضرات کے

---

[۱] اس درگاہ سے مجھے قسم قسم کی دلچسپی ہے۔ بچپن میں اسی درگاہ کے آگے میں کھیلا کرتا تھا۔ درگاہ کے دروازے کے پاس درخت کے نیچے ایک بہت بڑا پتھر رکھا رہتا تھا۔ کھیلتے کھیلتے تھک جاتا تو اُس پر جا بیٹھتا تھا۔ وہ پتھر اور وہ درخت دونوں اب بھی موجود ہیں، میں بوڑھا ہوگیا ہوں مگر وہ ویسے کے ویسے ہی ہیں۔

دوم یہ کہ حضرت شاہ صابر بخش رحمۃ اللہ علیہ میری پردادی کے والد میر نجف علی خاں (آخری فوجدار شاہانِ مغلیہ) کے پیر تھے۔ شاہ صاحب کی رحلت کے وقت اُن کے

(باقی نوٹ صفحہ ۲۱ پر)

سجادہ نشین شاہ صابر حسین صاحب اور اُن کے فرزند ناصر میاں اور ایک پُرانے ہم محلّہ محمد یٰسین صاحب موجود تھے۔ پھر مہندیوں کے قبرستان پہنچا۔ یہ حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان کی اور ہمارے خاندان کی ہرواڑ ہے۔ میری والدہ، دادا، دادی، کئی چچا، کئی پھوپیاں، پہلی بیوی اور متعدد عزیز یہاں ہیں۔ مہندیوں سے جدید قبرستان گیا۔ اس میں عزیز بھی ہیں اور دوست بھی۔ مولانا راشد الخیری۔ مولانا عارف ہسوی۔ مسٹر فصیح الدین۔ شیخ یعقوب۔ منشی قربان علی بسمل۔ خواجہ فضل احمد شیدا کے چھوٹے بھائی خواجہ محمد احمد اور لڑکیاں سعیدہ اور نعیمہ جدید قبرستان میں ہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰ کا) فرزند حضرت شاہ میر عبداللہ صاحب آٹھ نو برس کے ہوں گے۔ شاہ صاحب نے انھیں میر نجف علی خاں کے سپرد فرمایا تھا۔ میر نجف علی خاں اپنے پیرزادے سے کس طرح پیش آتے تھے یہ لکھنے کی بات ہے۔ پیرزادہ صاحب ناشتہ کرتے تو، اور پیرزادہ صاحب کھانا کھاتے تو، میر نجف علی خاں ضرور حاضر رہتے۔ ناشتہ اور کھانا ملازم پیش کرتا لیکن میر نجف علی پیرزادہ صاحب کے سامنے دوزانو اور دست بستہ بیٹھے ہوئے ملازم کے کام کی نگرانی کرتے تھے۔ آٹھ سالہ پیرزادہ صاحب مسند پر تشریف فرما ہوتے تھے اور ساٹھ سالہ میر نجف علی خاں مسند سے باہر۔ اسی سے اندازہ لگائیے کہ میر نجف علی خاں صاحب نے میر عبداللہ صاحب کی کیا کچھ خدمت نہ کی ہوگی۔ میر عبداللہ صاحب کی اولاد میر نجف علی خاں کی خدمات کو آج تک سراہتی ہے اور میر نجف علی خاں کی اولاد سے دلی لگاؤ رکھتی ہے۔ موجودہ سجادہ نشین کے پردادا حضرت میاں امیر حسین صاحب عید کے دن ہمارے سب چھوٹے بڑوں کو عیدی دیا کرتے تھے۔ چھوٹوں کو ایک ایک پیسہ اور بڑوں کو دو دو پیسے۔ میں نے بھی یہ ایک پیسہ بارہا لیا ہے اور آج بھی میرا جی چاہ رہا تھا کہ پرانی رسم کو تازہ کر دوں۔ عید کا مہینہ تو ہے ہی، صابر میاں سے کہوں کہ عیدی دلوائیے۔

گُل ملول، افسردہ سبزہ، شمع گُل، بالیں اُداس
جی بھر آیا حالتِ گورِ غریباں دیکھ کر

قبرستان سے نکلا تو حکیم عبدالسلام صاحب زنّی بھی سینہ چاکانِ چمن سے آملے اور پوری پارٹی درگاہ حضرت سلطان المشائخ روانہ ہوئی۔ اوّل حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے مزار پر حاضری دی۔ وہاں خبر پاتے ہی خواجہ صاحب کے صاحبزادگان خواجہ زید نظامی۔ خواجہ حسن ثانی نظامی، خواجہ مہدی نظامی اور بھتیجے، خواجہ حسن بہشتیؔ اور پیرزادہ اسلام الدین امام مسجد درگاہ۔ ڈاکٹر ناصر الدین۔ قاضی صفدر علی۔ خواجہ ابو حامد وغیرہ آگئے۔

خواجہ صاحب کے مزار پر خواجہ صاحب کا خود نوشتہ کتبہ لگا ہوا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"یہ قبر ایک مسلمان کی ہے۔ اس خاک میں وہ سوتا ہے جس نے دُنیا کی بیداری میں سونے والوں کو جگانے کی خاطر اچھی اور بری موت کا فرق قلم کی بجلی سے زندہ کر کے دکھا دیا۔

چار دن کی شہرت پر گھمنڈ نہ کرنا کہ یہ بھی بہت مشہور تھا۔ قوتِ تحریر و تقریر کا غرور دل میں نہ لانا کہ اس کی طاقتِ انشاپردازی نے بھی تمام ہندوستان میں دھاک بٹھا دی تھی۔ مگر آج وہ ساری دھوم اس تودۂ خاک میں چپ چاپ پڑی ہے۔

یہ اُس کی قبر ہے جس نے الواحِ قبور اُس وقت لکھیں جب کہ دُنیا کی کسی زبان میں اُن کی نظیر موجود نہ تھی۔ لیکن یہ بے مثال باتیں ایجاد کرنے والا بھی آخر مر گیا اور کہہ گیا کہ کام آخرت کی نیت سے کرنا۔ جس کا نتیجہ لازوال ہے، اس زندگی کے لئے نہیں، جہاں کا رہنا

چند ساعت کا خواب و خیال ہے"۔

خواجہ صاحب کے مزار پر فاتحہ خوانی کر کے حضرت امیر خسروؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور پھر حضرت سلطان المشائخؒ کے مزار پر تھوڑی دیر خواجہ صاحبؒ کے مکان میں بیٹھا۔

درگاہ سے واپسی کے بعد خواجہ انیس حسن بقائی۔ گردھاری لال بقال۔ سحبان الہند مولانا احمد سعید۔ لالہ داتا رام۔ حکیم مطلوب احمد۔ سردار دیوان سنگھ مفتوں۔ حکیم عبدالحمید، متولی ہمدرد دواخانہ۔ صاحبزادہ مستحسن فاروقی۔ قاری فرید احمد اور حسنی اخاکوب سے ملا۔ جسے دیکھتا ہوں وہ یہ شعر یاد دلا دیتا ہے:-

یہ کس کی نظر سے نظر مل گئی
دلِ گم شدہ کی خبر مل گئی

۲۰ اپریل ۱۹۵۹ء صبح چار بجے بیدار ہوا۔ پونے پانچ بجے حکیم عبدالسلام زئی تشریف لائے۔ اُن کے ساتھ جامع مسجد گیا۔ نماز فجر ادا کی۔

مولانا محمد حسین آزاد نے دِلّی کے ایک طبلچی کا قصہ لکھا ہے جو بیل گاڑی میں سوار حیدرآباد دکن جا رہا تھا۔ گاڑی جامع مسجد کے قریب پہنچی تو اُس کی نٹ پلٹ گئی اور اس نے کہا ؎

کیا ہم سری ہو اِس کی بھلا کیا مجال ہے ۔۔۔ اِس خانۂ خدا کا تو ثانی محال ہے
ہے اپنی وضع میں یہ نرالی جہان سے ۔۔۔ اُتری زمیں پہ جس کی شبیہ آسمان سے

سب شعر یاد نہیں۔ اور جتنے یاد ہیں اُن کی صحت میں شبہ ہے لیکن آخری بند غالباً اس طرح تھا ؎

اور گاڑی اپنی تو بھی میاں گاڑی بان پھیر ۔۔۔ اب پھرے نیاں سے تو قسمت کا جان پھیر

دِلّی سا شہر چھوڑ، دکن کو نہ جائیں گے ۔۔۔ ساری یہاں نہ کھائیں گے آدھی ہی کھائیں گے

کیا کہنے ہیں اُس طبلہ بجانے والے کے جس نے وطن کی محبت کے آگے خلعتِ فاخرہ کی پرواہ نہ کی تھی۔

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہ کن ۔۔۔ بازی اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز ۔۔۔ اے روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

صفحہ روزگار پر دِلّی کی جامع مسجد فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہے ؎

گر ز طاق و قبۂ ایں مقصورہ جوئی نشاں
ہیچ نتواں گفت غیر از کہکشانِ آسماں
ور بودے قبہ گر گردوں نبودے ثانیش
طاق بودے قبہ گر گردوں نبودے سائباں

جامع مسجد سے گاندھی سمادی گیا۔ گاندھی سمادی سے پانچ منٹ کے فاصلے پر پنڈت نیلو رام کا مکان ہے۔ پنڈت جی نے میرے اور میر حسنین تحصیلدار کے ساتھ بیس برس مسلسل صبح کی ہوا خوری کی ہے۔ مگر ساڑھے گیارہ برس کی جدائی میں پنڈت جی میری صورت بھول گئے تھے۔ مگر جب پہچانا تو اخلاص کا قدیمی رنگ عود کر آیا۔ محبت مجسم بن کر گلے لگا لیا۔

راستے میں لیاقت علی، داروغہ صفائی اور مشہور روشنائی والے الف خاں کے نواسے نواب محمد ادریس ملے۔ پھر سید محمد جعفری صاحب سابق ایڈیٹر ہمدرد کے ہاں گیا۔ جعفری صاحب میرے دوست بھی ہیں اور پڑوسی بھی۔ کوچہ چیلان میں دریا گنج والے نکڑ سے تراہا بیرم خاں تک یہ اکیلے مسلمان ہیں۔ اِس لمبی سڑک کی گلیوں میں دو، دو، چار، چار گھر مسلمانوں کے ادھتائے گئے۔ ایک گھر گلی گڑھیا میں میرے خالہ زاد بھائی محمد اسحٰق صاحب کا بھی ہے۔ اسی سڑک پر وہ مکان ہے

جو کبھی میرا کہلاتا تھا اور جسے میں اپنا سمجھتا تھا۔ اُسے دیکھتا اور بھائی فضل احمد۔ رسالدار میجر کامیاب خاں۔ سید بدرالاسلام (یونیورسٹی والے) میر محمد حسنین۔ (تحصیلدار) میر محمد حسین (میونسپل کمشنر) محمود احمد خاں۔ آغا محمد طاہر۔ قاضی لطیف الحق حقی۔ رضاء اللہ (انجینیر) کپتان حبیب الرحمٰن سی۔ آئی۔ ای۔ مسٹر آصف علی۔ قاضی عباس حسین ظریف۔ شیخ محمد یعقوب۔ مسٹر فصیح الدین (سکرٹری ہارڈنگ لائبریری) پروفیسر مرزا محمد سعید۔ بھیّا احسان الحق۔ مسٹر عظمت اللہ وکیل اور بابو محمد دین ملنسار کے مکانوں پر صدا لگاتا آگے بڑھ گیا ؎

جس گھر پہ پکارا، آئی ندا
اِس گھر میں تمہارا کوئی نہیں

اِن مکانوں کے پُرانے مکیں کچھ پاکستان چلے گئے اور کچھ قبرستان میں جا سوئے۔

دریا گنج کا بازار بڑی رونق پکڑ گیا ہے۔ لیکن دریا گنج سے میں کوچہ چیلان میں داخل ہوا تو کوچہ چیلان کی حالت برعکس دیکھی۔ کوچہ چیلان کے تمام مکان اور کوچہ چیلان کی تمام دُکانیں مسلمانوں کی ملکیت تھیں۔ اس لئے اُن کی مرمّت نہ ہونے سے چھجے غائب ہو گئے ہیں۔ سفیدی نہ ہونے سے اندھیرا اندھیرا سا ہے، اور مکینوں کے بدل جانے سے فضا بدل گئی ہے۔ سرائے کا سا نظارہ ہے۔ میں سوچا کرتا تھا خواجہ صاحب کے مدفن اور اپنی رہائش گاہ کو دیکھ کر قوتِ برداشت کہیں جواب نہ دے دے۔ مگر خواجہ صاحب کے مزار پر تو خدم بیکسوئی نے حفاظت کی۔ بہت سے کرم فرما آ گئے تھے اور رہائش گاہ کے سامنے پہنچا تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔ سمجھ ہی نہ سکا کہ میں کہاں ہوں۔ لیکن ؎

میرے سکوت سے مجھے بے حس نہ جانئے
لفظوں ہی کی کمی ہے خیالات کی نہیں

قلب میں اک آگ سی بھڑکی، بھڑک کر رہ گئی

اور

اِس گھٹا میں برق سی چمکی، چمک کر رہ گئی

وطن میں آج آ کر چشمِ حیرت خوب روئی ہے
یہ گلیاں وہ ہیں طفلی و جوانی جن میں کھوئی ہے
زباں ساکت، نظر محوِ فغاں ہے
یہ اپنا اپنا اندازِ بیاں ہے

حضرت مفتی کفایت اللہؒ کے فرزند مولوی حفیظ الرحمٰن مہتمم مدرسہ امینیہ دلّی سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اُن کے لڑکوں اور بھانجوں اور بہنوئی مولوی سمیع اللہ اور ملک یونین کے سکرٹری عبدالستار، اور میونسپل کمشنر چودھری عبدالستار، مہیولانا امداد صابری۔ سمٰعیل غوری۔ مولانا محمد سعید ممبر کارپوریشن۔ مسٹر مقیم الدین فاروقی، جنرل سکرٹری کمیونسٹ پارٹی صوبہ دہلی۔ پیرزادہ عبداللہ فاروقی، ایڈیٹر خاتونِ مشرق۔ پیرزادہ عبدالحق فاروقی۔ مرزا صدیق بیگ، مالک و مہتمم محبوب المطابع اور گاما دفتری کے ہاں ہوتا درگاہ صابر پہ پہنچا اور کھانا سجّادہ نشین صاحب کے ساتھ کھایا۔ جعفری صاحب اور فاروقی برادران بھی شریکِ طعام تھے۔ حسینی اور میر فد درگاہ میں ملنے آئیں۔ انھوں نے مجھے اور مقتدیٰ واحدی کو ہار پہنائے۔ یہ دونوں وہی مہترانیاں ہیں، جن کی تعریف میں اپنی کتاب "میرے زمانے کی دلّی" میں لکھ چکا ہوں۔ بڑی وفاشعار ماں بیٹیاں ہیں۔ ہمیں دیکھتے ہی اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

گھر پہنچ کر سُنا کہ داروغہ اختر حسین تھوڑی دیر میں آئیں گے اور رپورٹ درج کرانے سی۔ آئی۔ ڈی کے دفتر لے جائیں گے۔ پاکستانیوں کو پولیس چوکی اور سی۔ آئی۔ ڈی کے دفتر دو جگہ آمد کی رپورٹ کرنی پڑتی ہے۔ ان

اختر حسین ہمدرد دواخانہ میں ملازم ہیں۔ پہلے پولیس میں تھے۔ اُنھوں نے دفتر سی۔ آئی۔ ڈی کا کام آسانی سے کرا دیا۔

سی۔ آئی۔ ڈی کے دفتر سے حوض قاضی پہنچا اور لالہ شمبھو ناتھ صاحب سے ملا۔ پھر مولانا عبدالسّلام صاحب۔ منشی عبدالقدیر صاحب اور رشید خاں صاحب، پریسیڈنٹ کانگریس کمیٹی وارڈ نمبر ۹ کے ہاں گیا۔

رات کو بعد مغرب محمد مرزا صاحب، سابق ایڈیٹر دستور، خواجہ ہلال قطبی صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ مولوی عبدالحمید صاحب، ایڈیٹر رسالہ مولوی۔ اسرار حسن خاں صاحب اور اُن کے فرزند سلطان حسن خاں تشریف لائے۔ دن میں بھی لوگ آتے رہے لیکن دو روز سے میرے پاؤں میں مسلسل چکر رہے، دن کے آنے والوں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ہاں رات کو ماشو کی اماں بھی آئی تھیں۔ یہ ۱۹۴۷ء سے قبل میرے ہاں کھانا پکایا کرتی تھیں۔

۲۱ اپریل ۱۹۵۹ء

لکھنا یاد نہیں رہا کل مفتی شوکت فہمی صاحب، ایڈیٹر دین و دُنیا سے بھی ملا تھا اور وہاں سے مسٹر راج نرائن کھنہ کے ہاں حاضر ہوا تھا۔ کھنہ جی میونسپل کمیٹی کے ساتھی تھے۔ انتقال ہو چکا ہے۔ اُن کے بھائی گنیش جی تشریف رکھتے تھے۔ گنیش جی کے ٹیلیفون سے مسز ارونا آصف علی کو اپنی آمد کی اطلاع کرائی تھی۔ وہ اُس وقت کہیں گئی ہوئی تھیں۔ آج صبح مولانا احمد سعید صاحب کا خط آیا کہ مسز آصف علی نے فون کیا ہے۔ تین بجے گھر پر انتظار کریں گی۔ ہوتے تین بجے تک میں گھر سے نہیں نکلا۔ حکیم عبدالحمید صاحب، متولّی ہمدرد دواخانہ۔ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب، صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری۔ خواجہ امین حسن صاحب اور عبدالمجید صاحب آڑھتی تشریف لائے۔ ٹھیک تین بجے مقتدیٔ واحدی کو لے کر مسز آصف علی کے

ہاں پہنچا۔ حکیم عبدالسّلام صاحب رہنمائی کے لئے ساتھ تھے۔

مسز آصف علی کا خدمت گار دروازے سے لگا منتظر کھڑا تھا۔ وہ ہم میں سے کسی کو نہیں جانتا تھا۔ مگر بڑا سمجھ دار آدمی ہے، ہمیں دیکھ کر اس نے فوراً کہا۔ آئیے اور لفٹ کے ذریعہ چند سکنڈ میں مسز آصف علی کے پاس پہنچا دیا۔

دِلّی دروازے سے اجمیری دروازے تک شاہجہان آباد دِلّی کی فصیل توڑ کر ایک نہایت خوبصورت بازار بنایا گیا ہے۔ نیچے دُکانیں ہیں، اوپر کئی منزلہ سکنی مکانات۔ یہیں کے ایک فلیٹ میں مسز آصف علی رہتی ہیں۔ اس بازار کا نام آصف علی بازار ہے۔ بازار کے شروع میں مسٹر آصف علی کا اسٹیچو ہے۔ مسٹر آصف علی کے انتقال کے بعد حکومت مسز آصف علی کو صوبہ بنگال کی گورنری دینی چاہتی تھی، لیکن اُنھیں مسٹر آصف علی کا عہدہ قبول کرنا پسند نہیں تھا۔ خود گورنری کب قبول کرتیں؟ میونسپل کارپوریشن کی میئر ہیں۔ میئر کا الاؤنس دو ہزار روپے ماہانہ ہوتا ہے۔ مگر مسز آصف علی یہ الاؤنس نہیں لیتیں۔ میئر کو موٹر اور کوٹھی کارپوریشن کی طرف سے ملتی ہے۔ مسز آصف علی نے اِن دونوں چیزوں کو بھی رد کر دیا ہے۔

میں پُرانی وضع کا مسلمان ہوں۔ آصف صاحب کی زندگی میں، میں نے مسز آصف علی سے کبھی گفتگو نہیں کی لیکن آج مجبور تھا۔ آصف علی صاحب کی قبر پر ہو آیا، آصف صاحب کی تنہا نشانی سے ملنا بھی ضروری سمجھا۔

ارادہ دس منٹ ٹھہرنے کا تھا۔ مگر مسز آصف علی نے ڈیڑھ گھنٹے بٹھائے رکھا۔ آصف صاحب کے لڑکپن اور جوانی کے قصّے سنتی رہیں کئی دفعہ آبدیدہ ہو ہو گئیں۔ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اُٹھنے کی اجازت دی اور فرمایا۔ کسی دن کارپوریشن آئیے۔ آپ کے زمانے کے افسروں سے ملاؤں گی۔ میں نے کہا یہ تو میرے پروگرام کا ایک جُز ہے۔ میں حاضر ہوں گا۔ مجھے کارپوریشن کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ایشور دیال اور

سپرنٹنڈنٹ مسٹر نگم سے خاص طور پر ملنا ہے۔ فرمایا۔ نگم تو پڑوسی ہیں۔ ابھی بلائے دیتی ہوں۔ چنانچہ نگم صاحب سے مسز آصف علی ہی کے ہاں ملاقات ہو گئی۔

مسز آصف علی سے رخصت ہو کر ماسٹر جگت سنگھ صاحب ایڈیٹر رہنمائے تعلیم اور سردار دیوان سنگھ صاحب مفتوں، ایڈیٹر ریاست کے ہاں گیا۔ ماسٹر جگت سنگھ صاحب آج کل دلی میں نہیں ہیں۔ ماسٹر صاحب کے صاحبزادے تھے۔ ان سے مسٹر سرور تونسوی کو فون کرایا۔ ان کا بھی جواب نہیں آیا۔ سردار دیوان سنگھ صاحب کے پاس کافی دیر ٹھہرا رہا۔ مغرب اور عشاء کے درمیان خواجہ بہلول قطبی۔ رئیس احمد۔ اسرار حسن خاں/سعید الودود خاں، اور عبد السلام خاں تشریف لائے۔

۲۲ اپریل سنہ ۱۹۵۹ء صبح کا ٹہلنا جاری ہے۔ صبح کی نماز جامع مسجد میں پڑھتا ہوں۔ جامع مسجد قیام گاہ سے چار پانچ منٹ کے فاصلے پر ہے۔ یہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یکسوئی کا ہوتا ہے، ورنہ آج کل یکسوئی مفقود ہے۔ اس گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں بھی روز سنتا ہوں کہ کچھ حضرات آئے تھے۔ روزنامچہ لکھنے کی لاہور میں مہلت مل جاتی تھی۔ دلی سے دو سطری خط کراچی نہیں بھیج سکا۔ آج فیصلہ کیا ہے کہ خط بھی لکھوں گا اور روزنامچہ بھی لکھوں گا۔

گیارہ بجے تک لکھتا بھی رہا اور کرم فرماؤں سے ملاقات بھی کرتا رہا۔ خواجہ حسن ثانی نظامی۔ صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی۔ علامہ انور صابری۔ اسرار حسن خاں اور انور دہلوی تشریف لائے۔ گیارہ بجے بھائی محمد اسحٰق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واپسی پر قاری اخلاق حسین کے ہاں رکا اور ان کی بہو بنت قاری عباس حسین سے کہہ آیا کہ کل علی الصباح آؤں گا اور چائے اخلاق صاحب کے ساتھ پیوں گا۔ اخلاق صاحب گھر پر صبح ہی ملتے ہیں۔ پھر ہمدرد دواخانہ

چلے جاتے ہیں، جہاں کسی ڈیپارٹمنٹ کا انتظام ان کے سپرد ہے۔

راستے میں عبد المجید صاحب، تاجر عطر و تیل اور امیر بخش مرحوم کے بھانجے اور ننھے کالے سے بھی ملا تھا۔

۲۳ اپریل سنہ ۱۹۵۹ء ناشتہ قاری اخلاق حسین صاحب اور ان کے بیٹے جمال میاں کے ساتھ کیا۔ قبل دوپہر پنڈت تیلو رام صاحب۔ پیرزادہ عبد الحق فاروقی صاحب اور مولانا خالد اعظمی صاحب تشریف لائے۔ شام کو پانچ بجے چودھری احمد بخش صاحب، ایڈیٹر جنرل نیوز سے ملنے نکلا۔ جامع مسجد کے قریب پیرزادہ عبد اللہ فاروقی صاحب نظر آ گئے۔ انھیں ہمراہ لے لیا۔ بلی ماران میں چودھری احمد بخش صاحب کے علاوہ حکیم ذکی احمد صاحب سے ملا۔ اور حافظ محمد سعید صاحب وکیل کے ہاں پہنچا۔ وہ کچہری سے نہیں پلٹے تھے، واپسی میں ہارڈنگ لائبریری گیا۔ پنڈت کرشن گوپال صاحب لائبریرین نے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ میں سنہ ۱۹۳۴ء سے سنہ ۱۹۴۷ء تک لائبریری کی گورننگ باڈی میں رہ چکا ہوں۔ سے لائبریری کا اس کے قیام کے وقت یعنی سنہ ۱۹۰۲ء سے ممبر تھا۔

مغرب کی نماز جامع مسجد میں ادا کی۔ شام کا کھانا خواجہ انیس حسن بقائی کے ساتھ کھایا۔ خواجہ حسن ثانی نظامی۔ مفتی شوکت فہمی۔ صاحبزادہ مستحسن فاروقی۔ مولوی عبد الحمید۔ مسٹر انور دہلوی۔ حافظ عبد المنان۔ جمال میاں اور اسرار حسن خاں شریک طعام تھے۔

کھانے کے بعد مسٹر ہری چند اختر کی لڑکی کی شادی میں گیا۔ خبر گرم تھی کہ کنور مہندر سنگھ بیدی ڈپٹی کمشنر، سنگرور آج وہاں ہوں گے۔ مسٹر عرش ملسیانی ملے۔ انھوں نے فرمایا۔ کنور صاحب کل آئیں گے۔

۲۴ اپریل سنہ ۱۹۵۹ء دس بجے ٹاؤن ہال پہنچا۔ مسز آصف علی دفتر کے کمرے

ہیں تھیں۔ مجھے ملنے کے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ جہاں خان بہادر حبیب الرحمٰن صاحب،
او،بی،ای۔ میونسپل کمیٹی کے پہلے غیر سرکاری پریسیڈنٹ کی شاندار تصویر آویزاں
ہے۔ خان بہادر صاحب اب میری طرح کراچی ہیں۔ خان بہادر صاحب کے بعد
ڈاکٹر یدھ ویر سنگھ اور لالہ شام ناتھ جی پریسیڈنٹ چنے گئے تھے۔ اُن دونوں
کی تصویریں بھی خان بہادر صاحب کے دائیں بائیں ہیں۔

ملنے کے کمرے میں بیٹھتے ہی موتی رام لئیسن افسر (LIAISON
OFFICER) آگئے۔ یہ میرے زمانے میں اخبار ہندوستان ٹائمز کے
رپورٹر تھے۔ موتی رام صاحب کے پیچھے، پیچھے مسز آصف علی تشریف لے آئیں۔
باتوں باتوں میں خبر ملی بدھ کے دن شام کے پانچ بجے پھر آنا ہوگا پرانے عملے سے تو
آج مل لیجے، بدھ کی شام کو آپ کے ساتھی ممبروں سے ملانا ہے۔ کہیے تو غیر ممبر
دوستوں کو بھی بلا لیا جائے۔ مثلاً لالہ گوپی ناتھ امن۔

سوا گیارہ بجے مسز آصف علی نے اپنی کار میں روانہ کیا۔ نبی احمد اُن کا
ڈرائیور ہے، جو میرے زمانے میں ملک امین الدین مرحوم، اسسٹنٹ سکرٹیری،
میونسپل کمیٹی کا ڈرائیور تھا۔

افسوس ہے ایشور دیال صاحب، ڈپٹی کمشنر، میونسپل کارپوریشن سے ملاقات
نہیں ہوسکی، وہ علیل ہیں۔

دوپہر کا کھانا حسنیٰ کے ہاں کھایا۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب اور مولانا
محمد سعید صاحب، میونسپل کونسلر اور جعفری صاحب سابق میونسپل کمشنر میر مشتاق احمد
صاحب۔ حاجی سلیم صاحب فرزند حاجی صالح صاحب۔ شہزاد بہاری صاحب ماتھر۔
حکیم عبدالسلام صاحب زئی۔ بھائی محمد ادریس صاحب اور عبدالستار صاحب
ملک یونین والے اور کئی اور حضرات شریک طعام تھے۔

حسنیٰ وہی خاکروب ہے جس کے اخلاص اور جذبۂ خدمت کا تذکرہ کر کے
میں نے "میرے زمانے کی دلی" میں لکھا تھا کہ دلی اس لئے بھی نہیں جاتا کہ وہاں
حسنی اور حسینی اور میرو کو دینے کے لئے روپیہ نہیں ہوگا۔

حسنی نے ایک ہار اور رکھ دیا۔ لیکن یہ ایسا ہار ہے کہ اگر اسے نہ اُٹھاتا تو
اُس کا دل ٹوٹ جاتا۔

جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی۔

جامع مسجد کا انتظام گزشتہ پندرہ سال سے سُنّی مجلس اوقاف کے تحت
ہو رہا ہے، وہی اُن تمام جائدادوں کی بھی نگراں ہے جو جامع مسجد سے متعلق ہیں۔
اور جن کی آمدنی چھتیس ۳۶ ہزار روپیہ سالانہ کے لگ بھگ ہے۔ یہ موقوفہ جائداد
شمس العلماء مولوی سید احمد مرحوم، امام جامع مسجد کی سعی اور ۱۹۲۴ء سے قبل کی
جامع مسجد کمیٹی کے ارکان کی توجہ و تائید سے حاصل ہوئی تھی۔

امام صاحب کا خیال تھا کہ مسجد کی اتنی آمدنی کرلی جائے کہ آئندہ مسجد میں
اذان و نماز قائم رکھنے اور مسجد کی صفائی ستھرائی، اور روشنی کے لئے کسی کا دست نگر
نہ ہونا پڑے، لیکن یہ آمدنی اتنی کبھی نہیں ہوسکی کہ عام اخراجات کے بعد مسجد کی کوئی
باضابطہ اور معقول مرمت کی جاسکتی۔

امتداد زمانہ اور بعض دیگر اسباب کے باعث مسجد کو مرمت کی اب اشد
ضرورت تھی۔ مولوی سید حمید صاحب، موجودہ امام (خلف اکبر امام صاحب مرحوم) نے
پنڈت جواہر لال نہرو اور حضرت مولینا ابوالکلام آزاد کو توجہ دلائی کہ ہندوستان کی
بیش بہا تاریخی یادگار آپ کی مدد کی طلب گار ہے۔ چنانچہ محکمہ آثار قدیمہ کو حکم
دیدیا گیا کہ اُس کے انجنیئر مسجد کا معائنہ کریں اور رپورٹ دیں۔ اُن کی رپورٹ پر
حکومت نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ فوری مرمت کے لئے منظور کیا اور مرمت دو سال سے

جاری ہے۔ بیچ کے گنبد کے گرد اور جگہ جگہ پاڑیں بندھی ہوئی ہیں۔ مرمّت کی رفتار تیز نہیں ہے۔ جعفری صاحب سُنّی مجلس اوقاف کے سکرٹری رہ چکے ہیں اور آج کل مجلس کے ممبر ہیں، انھوں نے بتایا کہ رفتار سُست یوں ہے کہ حکومت مسجد میں وہی پتھر لگانے چاہتی ہے جو تعمیر کے وقت لگے تھے، ہدایت ہے کہ جس کان اور پہاڑ سے شاہجہاں نے پتھر منگائے تھے، وہیں سے پتھر لائے جائیں قسم اور ذات اور پتھروں کی لمبان چوڑان میں فرق نہ ہونے پائے۔ نیز مرمّت کرنے والے مرمّت طلب حصّے کو کھول کر دیکھتے ہیں کہ مسالہ کون سا استعمال کیا گیا تھا۔ اس کے کیمیاوی اجزا کیا تھے۔ غرض اِن احتیاطوں کی وجہ سے دیر لگ رہی ہے۔ ایک پتھر مہینوں میں ملتا ہے۔

جہاں جہاں مرمّت ہو چکی ہے، قابلِ اطمینان اور قابلِ تعریف ہے۔

پوری جامع مسجد پہاڑی کے اوپر بنائی گئی تھی۔ نیویں کھودنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ مرمّت بالکل نیچے تک پہنچی تو پہاڑی سامنے آگئی۔ توڑ پھوڑ میں پہاڑی کے دو چار ٹکڑے جعفری صاحب نے اٹھا لئے تھے۔ ایک ٹکڑا مجھے عنایت کیا ہے۔

کراچی میں میری میز پر تین چیزوں کا اضافہ ہوگا۔ ایک اِس ٹکڑے کا جو جعفری صاحب نے دیا ہے، دوسری چیز جامع مسجد کی خاک ہے جو حکیم عبدالسّلام صاحب زئی نے مہیا کی ہے۔ اور تیسری چیز حضرت سلطان المشائخؒ کے مزار کی خاک ہے جو خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے مہیا کی ہے۔

بعد نماز جمعہ حافظ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر رسالہ شمع اور خواجہ انیس حسن صاحب بقائی تشریف لائے۔

۵ اپریل ۱۹۵۹ء صبح قاری اخلاق حسین صاحب اور ماسٹر عبدالمجید صاحب

جنرل منیجر ہمدرد دواخانہ ملنے آئے تھے اور حکیم عبدالحمید صاحب، متولّی ہمدرد دواخانہ کی طرف سے شربت روح افزا کی تین بوتلیں لائے تھے، انھیں معلوم ہوا کہ ہم اِس وقت درگاہ حضرت سلطان المشائخؒ جانے والے ہیں تو اپنی موٹر ہمارے حوالے کر گئے۔

میں ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، اپریل یعنی ۱۷، ۱۸، ۱۹، شوال حضرت خواجہ حسن نظامی کی بنا کردہ واحدی منزل میں گزاروں گا۔ حضرت امیر خسرو کا عُرس ہے۔ حضرت امیر خسرو کا مزار حضرت سلطان المشائخؒ کے مزار کے پائین ہے۔

درگاہ حضرت سلطان المشائخؒ دِلّی (شاہ جہاں آباد) سے ساڑھے تین میل دور ہے اور نئی دلی میں ہے ـــــــــ دِلّی میں مجھے خاص تعلق جامع مسجد کے علاقے سے ہے اور نئی دِلّی میں اس درگاہ اور اِس گھر سے۔ ویسے تو ؎

مجھ سے اِک اِک مقام نے پوچھا
عشق کی حد یہ آ کے کیا گزری؟

لیکن جامع مسجد کے علاقے اور اس درگاہ اور اِس گھر کا مقابلہ کوئی مقام نہیں کر سکتا۔

حکیم عبدالسّلام صاحب زئی ساتھ آئے ہیں۔ خواجہ صاحب کے ہاں کی مجالسِ عرس کے انتظام میں یہ صاحبزادگان خواجہ صاحب کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

آج صاحبزادگان خواجہ صاحب اور صاحبزادگان کے پاس آنے والے میرے گرد جمع رہے۔ سب آنے والوں کے نام نوٹ نہیں ہو سکے۔ صرف حکیم کامل خاں صاحب اور منشی ذکی حسن صاحب یاد رہ گئے ہیں۔

کھانا تو دوپہر کا بھی نہیں کھایا تھا اور جب تک سلطان جی میں ہوں نہیں کھاؤں گا۔ لیکن آج شام کے کھانے میں خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے بہت سے حضرات کو بلایا تھا، جن میں سے حسب ذیل میرے قدیم کرم فرما ہیں:۔ ڈاکٹر

سید محمود صاحب (سابق وزیر) حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد) صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی صاحب (آستانہ) خواجہ محمد ہلال قطبی صاحب ۔ مسٹر نورالدین صاحب (بیرسٹر) مسٹر سلطان یار خاں صاحب (ایڈووکیٹ) ۔ حافظ محمد یوسف صاحب (شمع) حاجی محمد صالح صاحب ۔ قاری اخلاق حسین صاحب ۔ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب حکیم احمد جمیل قادری صاحب ۔ ڈاکٹر داور صاحب ۔ میاں سعید الاسلام صاحب (ابن میاں عبدالصمد صاحب) نواب عزیز الشفیع صاحب (مجسٹریٹ) مفتی شوکت فہمی صاحب (دین و دنیا) خواجہ انیس حسن بقائی صاحب ۔ سہیل صاحب عظیم آبادی ۔ مسٹر بیر حسن صاحب ۔ لالہ کرپا نرائن صاحب (جے۔ این بسنگھ) لالہ رادھکا نرائن صاحب (جے۔ این سنگھ) مسٹر محمد طارق صاحب (ممبر پارلیمنٹ) ڈاکٹر صدیقی صاحب (آر۔ کی ٹیکٹ) ۔ شری دھن راج ملہوترہ صاحب (وکیل) بھائی محمد ادریس صاحب ۔

۲۶ اپریل ۱۹۵۹ء صبح میاں مقتدیٰ واحدی اور حکیم عبدالسلام زئی کے ہمراہ مقبرہ ہمایوں گیا ۔ آٹھ بجے صاحبزادہ مستحسن فاروقی آئے ۔ بھائی محمد ادریس اور نواب عزیز الشفیع بھی فاروقی صاحب کی کار میں تھے ۔ ہم سب فاروقی صاحب کی مہربانی سے درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔

جس اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوا کر زندہ نکالا اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی سے نگلوا کر مرنے نہیں دیا تھا، اُسی اللہ نے ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں دِلّی کی اس سب سے بڑی درگاہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچنے دیا اور پھر گاندھی جی اور نہرو جی سے مرمّت کروائی ۔

خواجہ محمد ہلال صاحب قطبی تنہا درگاہ کی خدمت اور نگرانی کر رہے ہیں،

باقی تمام صاحبزادگان یا دِلّی میں ہیں یا ملیر (کراچی) میں قطب صاحب کی بستی مسلمانوں سے خالی ہے ۔

درویش بادشاہ سلطان شمس الدین التمش کے مزار پر بھی فاتحہ پڑھی ۔

سات سو برس پہلے کے مٹھی بھر اور موجودہ زمانے کے کروڑوں مسلمانوں کا تصور کیا اور وہاں سے سید حامد یار ٹی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خانقاہ آیا ۔ خانقاہ سے مُراد وہ عمارت ہے جہاں حضرت زندگی میں رہتے تھے ۔ اور درگاہ سے مراد وہ عمارت ہے جہاں حضرت مدفون ہیں ۔ ایک مجلس خواجہ حسن ثانی نظامی خانقاہ میں بھی کرتے ہیں ۔ خانقاہ کھنڈر ہو چکی ہے ۔ لیکن جیسی ۱۹۰۳ء میں تھی ویسی آج ہے، اور زیادہ کھنڈر نہیں ہوئی ۔ میں نے اسے پہلی دفعہ ۱۹۰۳ء میں دیکھا تھا ۔ صرف حضرت کے کتب خانے کا کمرہ ایسا ہے کہ اُس میں بیٹھا جا سکتا ہے ۔ اُس کے آگے کا برآمدہ بھی صحیح سالم ہے ۔ نیز وہ چھت شکستہ دیواروں کے سہارے موجود ہے جس پر تاریخی ہشت پہل چبوترہ ہے ۔ اس چبوترے پر حضرت گرمی کے موسم میں آرام فرمایا کرتے تھے اور آرام فرمانے سے قبل حضرت امیر خسرو ۔ حضرت امیر حسن علاء سنجری ۔ حضرت مولانا سید محمد امام اور دوسرے مخصوص مقربین سے باتیں کیا کرتے تھے اور اسی چبوترے کی بابت حضرت امیر خسرو نے کہا تھا ؎

نہ خفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ بر کفِ پایت نہد بخواب شود

خانقاہ کی مجلس دس سے ساڑھے گیارہ بجے تک رہتی ہے ۔ یہاں آنے کی خاطر میں نے درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی اور مقبرہ صفدر جنگ جانا چھوڑا ۔ ورنہ دس بجے یہاں نہ پہنچ سکتا تھا ۔ مقبرہ صفدر جنگ کی جھلک دُور سے دیکھی ۔ درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی کے لئے راستہ کاٹ کر چار میل کا مزید سفر کرنا پڑتا ۔

جہانِ عرفان و آگہی کے اُمّی گرامی کی یاد آئی
زیارتِ واحدی سے انور ہوئیں جو فیضِ مشنا نگاہیں
نجانے کیوں میری زندگی کو حسن نظامیؒ کی یاد آئی

خانقاہ والی مجلس کے بعد خواجہ حسن ثانی نظامی رات کی مجلس بھی حسبِ سابق کرتے ہیں۔ مگر میں رات کو جاگ نہیں سکتا۔ رات کی مجلس سے محروم رہا۔ آج دس بجے تیسری مجلس ہوئی۔ اس میں شرکت کی۔ رات مجلس یادگار میدانِ عرفات میں منعقد کی گئی تھی۔ یہ تیسری مجلس خواجہ صاحب کے زمانے سے حضرت امیر خسرو کے مزار کے سامنے والے ہال میں ہوتی ہے۔ یہ مجلس میرے سفر کا حاصل تھی۔ علّامہ انور صابری کی ایک رباعی ہے ؎

آئینہ انوارِ ازل دیکھ رہا ہوں	سرمایۂ تزئینِ عمل دیکھ رہا ہوں
خسرو کی یہ تصویر ہے یا دیدۂ دل ہے	محبوبِ الٰہیؒ کی غزل دیکھ رہا ہوں

میرے دائیں جانب حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کی ایک غزل ہے اور بائیں جانب دوسری غزل۔ میرا تصوّر مجھے کبھی خسرو کے قدموں میں پہنچا دیتا ہے اور کبھی حسن نظامی کے قدموں میں۔

تیسرے پہر حکیم کامل خاں اور منشی عبد القدیر تشریف لائے نیز نوشابہ یعنی والدہ سکندر بخت آئیں۔ نوشابہ کے خاندان کو خواجہ صاحب سے اور خواجہ صاحب کے متعلقین سے دلی تعلق رہا ہے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی کے ہاں کی چوتھی مجلس شروع ہونے کو تھی کہ میں دلّی لوٹ آیا۔ شام کا کھانا صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی، سجادہ نشین حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی و ایڈیٹر "آستانہ" "پیامِ مشرق" کے ہاں کھانا ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے خواجہ حسن ثانی نظامی بھی مجلس سماع ختم کر کے آ گئے۔ وہ اور بھائی محمد ادریس صاحب

درگاہ چراغ دہلی حاضر نہ ہونے کا افسوس ہے۔ اور مقبرہ صفدر جنگ کے اندر نہ جا سکنے کا بھی۔ دلّی میں مجھے موٹر کی لاہور جیسی آسانی نہیں رہی۔ حد یہ ہے کہ لال قلعہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

خیر خانقاہ سے درگاہ آیا اور قیام گاہ میں شام تک بیٹھا رہا۔ پرانے ملنے والوں میں مستری محمد اسمٰعیل عشقی (حضرت خواجہ حسن نظامی کے مشہور خدمت گزار مرید) آئے اور نئے ملنے والوں میں صوفی ولایت خاں نے کرم فرمایا۔ صوفی ولایت خاں اُن صوفی عنایت خاں کے فرزند ہیں جنھوں نے یورپ میں اسلام و تصوّف کی اشاعت کی تھی۔ یورپ میں صوفی صاحب کے بے شمار معتقد اور مرید ہیں۔ پیرس اُن کا مرکز تھا۔ پیرس ہی کی ایک خاتون کے بطن سے صوفی ولایت خاں پیدا ہوئے۔ صوفی ولایت خاں تکمیل تصوّف کا خیال لے کر ہندوستان کی درگاہوں میں پھر رہے ہیں۔ کمبل کا کرتہ پہنتے ہیں۔ لنگر کا کھانا کھاتے ہیں۔ چہرے پر نُور ہے۔ فرانسیسی مادری زبان ہے۔ انگریزی خوب بولتے ہیں۔ اردو اتنی جانتے ہیں جتنی چار مہینے میں جاننی چاہیے۔ چار مہینے سے ہندوستان میں ہیں۔

صوفی ولایت خاں کے علاوہ متعدد حضرات نے شرفِ ملاقات بخشا۔ قبل عشا میاں شاہ الدین عرف حاجی میاں صاحب سجادہ نشین حضرت میاں عبد الصمد صاحب تشریف لائے۔

۲۷ راپریل ۱۹۵۹ء واکنگ اور ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ علّامہ انور صابری نے مسافر نوازی فرمائی اور جتنی دیر بیٹھے رہے میرے متعلق رباعیاں کہتے رہے۔ بحرِ فکر میں غوطہ لگاتے تھے اور چار لڑیوں کی مالا بنا دیتے تھے۔ ایک مالا آپ کی نذر ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نگاہِ محبوبؒ نے عطا کی، جسے گرامی مقامِ عظمت

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب۔ مفتی شوکت فہمی صاحب۔ حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد) نواب عزیز الشفیع صاحب۔ خواجہ ہلال قطبی صاحب۔ صدیقی صاحب (آرکی ٹیکٹ) روش صدیقی صاحب۔ خواجہ انیس حسن بقائی صاحب۔ پوری صاحب (مالک ایٹ پنجاب پریس) شہریار پرواز صاحب سب ایڈیٹر آواز) حاجی محمد صالح صاحب انصار ہروانی صاحب (ممبر پارلیمنٹ) علی محمد طارق صاحب (ممبر پارلیمنٹ)، حکیم جمیل قادری صاحب۔ ساغر نظامی صاحب۔ رادھیکا نرائن صاحب اور کرپا نارائن صاحب شریکِ طعام تھے۔

۲۸ ر اپریل ۱۹۵۹ء صبح گھر ہی پر نماز پڑھ لی۔ ہوا خوری کرنے بھی نہیں گیا۔ جلدی جلدی تین روز کا روزنامچہ گھسیٹا۔ ساڑھے آٹھ اور نو کے درمیان لالہ داتا رام۔ اسرار حسن خاں اور محمد عوض آگئے۔ ٹھیک نو بجے مولانا بقا اللہ پانی پتی تشریف لائے اور ساڑھے دس بجے تک میرے پاس رہے۔ پھر بھائی محمد اسحٰق آئے۔ بارہ بجے پنڈت تیلو رام کے ہاں کھانا کھایا۔

آج میاں علی نقشندی واحدی اور بھائی محمد اسحٰق کے لڑکے میاں رئیس احمد اور ایک اور عزیز میاں معراج الحق ۵ رمئی کے لئے سیٹیں ریزرو کرانے گئے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو ۵ رمئی کو واپسی کا ارادہ ہے۔ عصر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ منشی محمد جان صاحب کے فرزند ملنے آگئے۔ منشی صاحب میرے رفیق قدیم ہیں۔ مدتوں میرے رسالوں اور اخباروں کی کتابت کی ہے۔ آج کل فرخ آباد گئے ہوئے ہیں۔

قبل مغرب کنور مہندر سنگھ صاحب بیدی اور مولانا سمیع اللہ صاحب اور بعد مغرب گلزار صاحب تشریف لائے۔

آٹھ بجے بھائی محمد ادریس صاحب۔ اُن کے لڑکے مطیع احمد اور اپنے لڑکے علی نقشندی واحدی اور حکیم عبدالسلام صاحب زنی کے ساتھ حکیم عبدالحمید صاحب

متولی ہمدرد دواخانہ کے ہاں گیا۔ اُنھوں نے آج دعوت کی ہے۔ خواجہ زید پاشا نظامی۔ خواجہ حسن ثانی نظامی۔ مولانا احمد سعید۔ مولانا حفظ الرحمٰن۔ مفتی عتیق الرحمٰن۔ مفتی شوکت فہمی۔ سید محمد جعفری۔ خواجہ ہلال قطبی۔ خواجہ مہدی نظامی۔ ڈاکٹر سید محمود۔ مسٹر نورالدین۔ لالہ شمبھوناتھ۔ لالہ شام ناتھ۔ صاحبزادہ مستحسن فاروقی۔ مولانا محمد میاں۔ نواب عزیز الشفیع۔ سید اشفاق حسین (ناظرِ سنّی مجلس اوقاف)۔ حاجی محمد صالح۔ مرزا محمود بیگ (پرنسپل دہلی کالج) دیوان آنند کمار (وائس چانسلر ایسٹ پنجاب یونیورسٹی) مولانا سجاد حسین۔ حکیم محمد اقبال۔ ڈاکٹر عبدالعزیز۔ قاری اخلاق حسین۔ سید عظمت علی۔ منشی صغیر احمد۔ حکیم احمد جمیل۔ وحید الدین قریشی۔ محمود عثمانی اور ڈاکٹر صدیقی شریکِ طعام تھے۔

کھانے سے فراغت پانے کے بعد میں نے لالہ شمبھوناتھ صاحب کو الگ لے جاکر کہا، کراچی سے آپ کو متعدد بار لکھا گیا کہ میرے پاس تو حساب کتاب رہا نہیں ہے، آپ اپنے ہاں دیکھ کر مطلع کیجیے کہ مجھے آپ کا کیا دینا ہے۔ آپ نے خطوط کے جواب دیے مگر اِس بات کا جواب کبھی نہ دیا۔

لالہ شمبھوناتھ صاحب دِلّی کے سب سے پہلے برقی پریس، دِلّی پرنٹنگ ورکس کے مالک ہیں۔ میرا کام کئی پریسوں میں چھپا کرتا تھا، اُن کے ہاں بھی چھپتا تھا۔ میں ویسے الحمد للہ کسی کا مقروض نہیں ہوں لیکن چھاپہ خانوں کے بل اور رسالے کے چندے مرتے دم تک باقی رہیں گے۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا علاج کروں۔ خیر دِلّی جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ۱۹۴۷ء کی بھگدڑ کے وقت چھاپہ خانوں کی جو رقمیں میرے ذمّے تھیں اُنھیں چُکا دوں۔ ادا کرکے یا معاف کرا کے۔ چنانچہ لالہ شمبھوناتھ صاحب آج تکلّف کرنے لگے تو اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ روپے لینے نہیں چاہتے تو معاف کر دیجیے، اور زبان سے فرمائیے کہ معاف کیا۔

میں مُصر تھا کہ لالہ شمبھو ناتھ صاحب اِن الفاظ کو دوہرائیں اور لالہ شمبھو ناتھ صاحب "معاف کیا" کہنا شاید گستاخی سمجھ رہے تھے۔ آخر انھوں نے "معاف کیا" کا بدل سوچا اور فرمایا "میرا کچھ مطالبہ نہیں ہے۔"

لالہ شمبھو ناتھ صاحب میرے ہم عمر ہیں اور ہم دونوں لڑکپن سے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ لالہ شمبھو ناتھ صاحب گوشت نہیں کھاتے اور گوشت کھانے والوں سے دُور اُن کا تھال رکھا گیا تھا۔ مگر دیکھئے گوشت نہ کھانے والے، قدیم طرز کے ہندو اِس طبیعت کے ہوتے ہیں۔

۲۹۔ اپریل ۱۹۵۹ء صبح ٹہلنے چونکہ اکیلا جاتا ہوں۔ دیوانوں کی طرح گلی گلی دِلّی کو ڈھونڈتا ہوں۔ آج راج گھاٹ کا قصد کیا۔

جامع مسجد سے لال قلعہ کے دروازے تک سڑک قدیم ہے اور ایڈورڈ پارک بھی قدیم ہے لیکن دائیں جانب اُردو پارک دوسرا ایڈورڈ پارک بن گیا ہے اور بائیں جانب مقبرہ مولانا ابو الکلام کی وجہ سے پریڈ کے میدان کا ایک ٹکڑا سر سبز ہوگیا ہے۔ جامع مسجد سے چاندنی چوک کے نکڑ تک دُکانیں ہی دُکانیں ہیں۔ پریڈ کے میدان میں جینیوں کے مندر کے نزدیک بہت لمبی چوڑی مارکٹ تعمیر ہوگئی ہے۔ پریڈ کا میدان چھوٹا رہ گیا ہے اور دُکانوں اور مارکٹ کی وجہ سے میدان کی ہوا جامع مسجد کے رُخ نہیں آتی۔ اِدھر سمو سے کے سامنے اور اردو بازار کے سامنے ایڈورڈ پارک تک دُکانوں کا طویل سلسلہ ہے اور اِس قدر گچ پچ ہے کہ خدا کی پناہ!

ٹھنڈی سڑک کراس (Cross) کر کے قلعہ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ بائیں جانب کا میدان نہیں بدلا۔ مگر دائیں جانب کے میدان میں دُکانیں اور گودام تعمیر کرا دیئے گئے ہیں۔ قلعہ کے دروازے سے سُنہری مسجد[1] کا

---

[1] ایک سُنہری مسجد چاندنی چوک میں ہے اور ایک لال قلعہ کے دِلّی دروازے کے پاس۔

رُخ کیا تو عالم ہی اور پایا۔ نہ وہ دَریں اور نہ دروں کے اوپر کی نالی جس پر میں بچپن میں دوڑا کرتا تھا اور نہ وہ املی کا درخت ہے جس کے کٹارے دو زمانے میں کھایا کرتا تھا اور جسے ۱۹۴۷ء میں کھڑا چھوڑ گیا تھا۔ سُنہری مسجد سے راج گھاٹ تک کا میدان عمارتوں سے بھر گیا ہے اور زنانہ پردہ باغ کی چار دیواری کے اردگرد اتنی دکانیں ہیں کہ پردہ باغ نظر نہیں آتا۔ راج گھاٹ مشکل سے پہنچ سکا۔

شہر کے باہر جو عمارتیں تیار ہوئی ہیں، وہ دیکھنے دکھانے لائق ہیں۔ لیکن شہر کے اندر کی تعمیرات نے سانس لینا مشکل کر دیا ہے۔

راج گھاٹ سے کوچہ چیلان پہنچا تاکہ اپنا محلّہ اور اپنا گھر ایک بار اور دیکھ لوں۔ آج پتہ چلا کہ دریا گنج سے ڈپٹی فداء اللہ صاحب کی حویلی کے موڑ تک کسی قدر تبدیلیاں بھی ہوئی ہیں۔ اندھیرا محض مرمت اور سفیدی کے فقدان کی وجہ سے نہیں ہے۔ اندھیرے کی اور وجہ بھی ہے۔ میری دِلّی مجھے کہیں نہیں مِل رہی۔ دِلّی کی برادریوں کی دِلّی کراچی میں موجود ہے۔ لیکن نواب فرخ مرزا۔ اجمل خاں اور فیض احمد خاں کی دِلّی۔ خان بہادر ناصر علی اور حکیم ناصر نذیر فراق کی دِلّی۔ راشد الخیری اور حسن نظامی کی دِلّی۔ اور بیخود۔ سائل اور آغا شاعر کی دِلّی۔ اب کہیں نہیں ہے ؎

دل کی تسکین بہ نامِ غم نہ ہوئی
زندگی شاد کامِ غم نہ ہوئی

میرے مکان کے مقابل کالے خاں کی مسجد ہے۔ دروازہ کُھلا پایا تو اندر گھس گیا۔ صحن پر نگاہ تھی اور جوتے اتار کر صحن میں قدم رکھنا چاہتا تھا۔ کہ موذّن حجرے میں سے نکلا اور بنگالی لہجے میں پوچھنے لگا۔ کیا ہے۔ میں نے کہا "کچھ نہیں" اور باہر چلا آیا۔

حکیم عبدالسّلام زئی - بھیّا رفیع الدین صاحب - محمد خاں صاحب (نگینہ ساز) جعفری صاحب - اسرار حسن خاں صاحب - قاضی معزالدین احمد صاحب تشریف لائے -

یہ نام بار بار اس لئے لکھتا ہوں کہ آپ انھیں بار بار پڑھ کر جان لیں کہ دتّی میں واحدی کے جاننے والے کتنے رہ گئے ہیں - بڑی بڑی دعوتوں میں بھی ہر پھر کر ایک ہی فہرست ملے گی - جامع مسجد سے ترا با بیرم خاں تک مسلمانوں کی آبادی ہے لیکن میں اُدھر سے گزرتا ہوں تو آشنا صورت نہیں دکھائی دیتی - دتّی کے دوسرے محلّوں کا کیا حال ہوگا - دوسرے محلوں میں جانے کو جی نہیں چاہتا - دِتّی سے مراد اگر دتّی کے آدمی ہیں تو وہ تتر بتر ہو گئے - یا قبرستان چلے گئے - دتّی کی تہذیب اور دتّی کے تمدّن کو چند گنے چُنے حضرات نے سنبھال رکھا ہے ؎

تم ہواب اور مدارات سے بیگانوں کی
کون لیتا ہے خبر عشق کے دیوانوں کی

دوپہر کا کھانا منشی عبدالقدیر صاحب کے ہاں رشید خاں صاحب صدر کانگریس کمیٹی وارڈ نمبر ۹ اور حکیم عبدالسّلام صاحب زئی وغیرہ کے ساتھ کھایا -

تیسرے پہر، پانچ بجے کا وقت مسز آصف علی نے چاء نوشی اور افسرانِ میونسپل کارپوریشن سے ملانے کے واسطے مقرر کیا تھا - میرے زمانے کے افسر ایک ایک کر کے مسز آصف علی کے کمرے میں آتے رہے اور ملتے رہے - نئے افسروں سے مسٹر ایشور دیال، ڈپٹی کمشنر کارپوریشن نے لان میں لے جا کر ملوایا - لان میں تمام افسر غالباً روز اس وقت جمع ہوتے ہیں -

کارپوریشن آنے سے پہلے بھیّا رفیع الدین صاحب کے ہاں بھی گیا تھا - ریلیجیس ٹالرنس کمیٹی (Religious Tolerence Committee)

جو بھیّا رفیع الدین صاحب کی زیر صدارت کام کر رہی ہے اُس کا آج جلسہ تھا - مگر میں جلسے کے انعقاد تک ٹھیر نہیں سکا -

عصر کی نماز مسجد فتحپوری اور مغرب کی نماز جامع مسجد میں پڑھی - کل میاں مقتدیٰ واحدی فقط جواب لائے تھے کہ ریل کی سیٹوں کا ریزرویشن - (Reservation) نئی دِتی ریلوے اسٹیشن پر ہوگا - آج وہ ۶ مئی کے لئے سیٹیں ریزرو (Reserve) کرا آئے ؎

کوئی دم میں روانہ ہیں ہم لوگ

۳۰ / اپریل سنہ ۱۹۵۹ء

بھائی محمد ادریس صاحب کی حویلی دلدار منزل عالی شان حویلی ہے - اس کا ایک بالائی حصّہ مجھے الگ مل گیا ہے، جو اپنی جگہ مکمل مکان ہے - تین کمرے، کمروں کے مطابق صحن - غسل خانہ - پاخانہ - اس کے علاوہ حویلی کے طویل و عریض ڈرائنگ روم پر بھی میرا قبضہ ہے - بھائی صاحب کا برتاؤ یہ ہے کہ ایک دن میں کسی سے کہہ رہا تھا کہ وطن میں مہمان ہوں - اُنھوں نے سُن لیا - بگڑ کر بولے اِس گھر کو آپ اپنا گھر نہیں تسلیم کرتے - میں نے عرض کیا - اچھا صاحب! میں مہمان نہیں ہوں، لیکن اتنا کہنے کی تو اجازت ہے کہ -

نماز قصر پڑھتا ہوں وطن میں

خیر بھائی صاحب اور بھابی صاحبہ اور بھتیجے بھتیجیوں نے آرام و آسایش کا انتہائی بندوبست کر رکھا ہے - لیکن ایک تکلیف ہے - اُن کی حلال خوری، حرام خور ہے - جب چاہتی ہے آتی ہے اور جب چاہتی ہے نہیں آتی - میں اِس معاملے میں فطرتاً نازک مزاج ہوں اور کراچی کے فلش سسٹم نے مزاج اور نازک کر دیا ہے - خواجہ حسن ثانی نظامی کے ہاں بھی ایک کمرہ - ایک ہال اور وسیع صحن میرے پاس تھا اور حسن ثانی عرس کی مصروفیت کے باوجود ہمہ تن متوجہ تھے -

عرس کی مصروفیتیں ایک پلڑے میں تھیں اور میرا خیال ایک پلڑے میں۔ میرا خیال والا پلڑا جھکا جاتا تھا۔ لیکن پاخانے کی تکلیف اُن کے ہاں بھی رہی۔ سُنا ہے کہ یہاں حلال خوریوں کا اب عام طور پر یہی ہے۔ آج حکیم عبدالسلام صاحب زئی نے مرد حلال خور مہیّا کر دیا ہے۔ اُمید ہے۔ پانچ، چھ دن خیریت سے گزر جائیں گے۔ حکیم عبدالسلام صاحب نے میرے جتنے کام کئے ہیں میں اُن کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا۔ انھیں دعائیں دیتا ہوں۔

دوپہر کا کھانا بہن نوشابہ کے ہاں کھایا۔

تیسرے پہر کارپوریشن پہنچا اور مسز آصف علی کے ساتھ اولڈ سکریٹریٹ (old Secretariate)۔ ڈاکٹر یدھ ویر سنگھ، چیرمین انڈسٹریل ایڈوائزری بورڈ کے دفتر گیا۔ ڈاکٹر صاحب میرے میونسپل کمیٹی کے ساتھی ہیں۔ انھوں نے مجھ سے ملانے کے لئے کمیٹی کے مندرجہ ذیل ساتھیوں کو چاء پر جمع کیا تھا۔ لالہ شام ناتھ۔ لالہ دیس راج۔ چودھری امراؤ سنگھ۔ لالہ ہری چند۔ لالہ ست نرائن گڑ والے۔ حکیم خلیل الرحمٰن۔ ڈاکٹر سی۔ آر۔ جینا۔ سید محمد جعفری۔ لالہ بھگوان چند جین۔ مسٹر جگل کشور کھنہ اور لالہ اونکار ناتھ۔

لالہ اونکار ناتھ آج کل ممبر پارلیمنٹ ہیں۔

مسز آصف علی اور لالہ گوپی ناتھ امن نے بھی چاء نوشی میں شرکت کی۔ امن صاحب میونسپل کمیٹی کے ساتھی نہیں ہیں۔ ادبی ساتھی ہیں۔ آج کل چیرمین پبلک ریلیشنز کمیٹی ہیں۔

شام کا کھانا مفتی شوکت فہمی صاحب کے ہاں کھایا۔ مولانا احمد سعید صاحب۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب۔ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب۔ مولانا سجاد حسین صاحب۔ حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد) حکیم عبدالحی صاحب انصاری۔ علامہ انور صابری صاحب۔ ساغر نظامی صاحب بھائی محمد ادریس صاحب۔ نواب عزیز الشفیع صاحب۔ حاجی محمد صالح صاحب۔ مسٹر نورالدین صاحب (بیرسٹر) صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی صاحب۔ قاری اخلاق حسین

صاحب۔ خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب۔ خواجہ حمیدی نظامی صاحب۔ حافظ محمد یوسف صاحب (شمع)، چودھری عبدالستار صاحب۔ خواجہ انیس حسن بقائی صاحب۔ سید محمد جعفری صاحب۔ قاضی اطہر ہاشمی صاحب۔ قاضی الیاس ہاشمی صاحب۔ مسٹر ایم۔ اے۔ قاضی۔ مسٹر گوبند سرن (ایڈووکیٹ) مسٹر شام نرائن۔ مسٹر کرپا نرائن۔ مسٹر رادھیکا نرائن اور مسٹر صدیقی (انجنیر) شریک طعام تھے۔

کھانے کے بعد علامہ انور صابری صاحب اور ساغر نظامی صاحب نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ ایک ایک غزل دونوں کی آپ بھی پڑھ لیجے، پوری پوری غزل نہیں، بعض بعض شعر:-

علامہ انور صابری صاحب

لب پہ کانٹوں کے ہے فریاد و فغاں تیرے بعد — کوئی آیا ہی نہیں آبلہ پا تیرے بعد

اب نہ وہ رنگِ جبیں ہے نہ بہارِ عارض — لالہ رویوں کا عجب حال ہوا تیرے بعد

چند سوکھے ہوئے پتے ہیں چمن میں رقصاں — ہائے بے گانگیٔ آب و ہوا تیرے بعد

منہ دھلاتی نہیں غنچوں کا عروسِ شبنم — گرد آلود ہے کلیوں کی قبا تیرے بعد

آدمیت شکنی بھی تو نہیں کم انور
ڈر ہے کچھ اور نہ ہو اس سے سوا تیرے بعد

ساغر نظامی صاحب

کیا سنائیں کہ ہم پہ کیا گزری — عشق میں ہر قدم پہ کیا گزری

لو اسیرانِ دیر کیا جانیں — طائرانِ حرم پہ کیا گزری

مرحبا ذوق آبلہ پائی — راہ کے پیچ و خم پہ کیا گزری

جن کو دیکھو کہ اُن پہ کب بیتی یہ نہ پوچھو کہ ہم پہ کیا گزری
میرا دستِ طلب جھکا تو دیا تیرے ظرفِ کرم پہ کیا گزری

ہے یہی راہِ عافیت ساغرؔ
ہم نہ سمجھیں کہ ہم پہ کیا گزری

آج مولوی عبدالحمید صاحب (ایڈیٹر مولوی) جعفری صاحب مفتی ضیاء الحق صاحب۔ سید محمد فاروقی صاحب (ناظم یتیم خانہ مجلس اوقاف) بھائی محمد اسحٰق صاحب اور گلزار صاحب ملنے تشریف لائے تھے۔

یکم مئی ۱۹۵۹ء آج کے لئے حکیم عبدالسلام صاحب نزئی سے طے ہوا تھا کہ صبح پانچ بجے جامع مسجد سے درگاہ حضرت شاہ باقی باللہ جائیں گے۔ حضرتؒ کے علاوہ قاری سرفراز حسین صاحب اور حافظ عزیز حسن صاحب بقائیؒ کی فاتحہ خوانی کرنی تھی لیکن حکیم صاحب کو دیر لگ گئی۔ میں جامع مسجد سے ہوا خواری کرتے چل دیا۔ واپس آرہا تھا کہ حکیم صاحب ڈھونڈتے ہوئے ملے۔ لیکن جانے کا وقت نکل چکا تھا۔

کھانا دعوتوں میں بے حد احتیاط سے کھاتا ہوں۔ مگر دعوتوں کی وجہ سے جاگنا ضرور پڑتا ہے۔ کل رات جب لیٹا ہوں تو سوا بارہ بج رہے تھے۔ سوا چار بجے اُٹھ بیٹھا۔ ساڑھے تین یا پونے چار گھنٹے سونا قطعی ناکافی ہے۔ مجھے عشاء کی نماز پڑھتے ہی سو جانے کی عادت ہے۔ رات کو کبھی نہیں جاگتا اور دن میں کبھی نہیں سوتا۔ مگر آج سارا بدن دُکھ رہا تھا۔ دوپہر تک پلنگ پر پڑا رہا۔ اتفاق سے نیند بھی آگئی اور طبیعت ہلکی ہوگئی۔

شام کا کھانا حافظ محمد یوسف صاحب مالک رسالہ شمع کے ہاں تھا وہ شہر سے چھ میل دور رہتے ہیں، اُن کی کار مجھے لے گئی اور پہنچا گئی۔

مغرب کی نماز کوٹھی کے پُرفضا لان میں مولانا احمد سعید صاحب کے پیچھے پڑھی۔ نماز پڑھتے ہی حافظ صاحب نے کھانا چنوا دیا۔ مولانا احمد سعید صاحب بھائی محمد ادریس

صاحب۔ ساغر نظامی صاحب۔ علامہ انور صابری صاحب۔ لالہ کرپا نرائن صاحب۔ لالہ شام نرائن صاحب۔ مفتی شوکت فہمی صاحب۔ حاجی محمد صالح صاحب۔ خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب۔ مسٹر نورالدین صاحب۔ صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی صاحب۔ محمد ادریس صاحب مدیر کھلونا۔ محمد یونس صاحب، مدیر شمع۔ انور دہلوی صاحب، مینجر شمع بکڈپو۔ اور پیرزادہ عبدالحق فاروقی صاحب شریک طعام تھے۔

کھانے کے بعد علامہ انور صابری صاحب اور ساغر نظامی صاحب نے روحانی غذا بہم پہنچائی۔

ساڑھے دس بجے حافظ محمد یوسف صاحب کی کوٹھی سے رخصت ہوا۔ اور اردو بازار میں مولوی سمیع اللہ صاحب کی دکان پر اُترا۔ مولوی سمیع اللہ صاحب کی دکان شاعروں، ادیبوں اور سیاست دانوں کی نشست گاہ ہے۔ روزانہ بعد مغرب لوگ آجاتے ہیں۔ ساڑھے دس بجے بھی گلزار صاحب اور میر مشتاق احمد صاحب تشریف فرما تھے میرے پیچھے پیچھے علامہ انور صابری صاحب بھی آگئے۔ گلزار صاحب اور صابری صاحب اور ایک نابینا شاعر نے جن کا نام یاد نہیں رہا، مشاعرہ قایم کر دیا۔ کل کی طرح آج بھی ٹھیک سوا بارہ بجے سونا ملا۔ یہ صحبتیں اس قدر دلکش ہیں کہ "نے تاب وصل دارم نے طاقتِ جدائی"۔ کل سے جلد سونے کی کوشش کروں گا۔

آج دن میں مولانا لقاء اللہ صاحب ملنے آئے تھے۔

۲ مئی ۱۹۵۹ء گرمی بڑھنی شروع ہوگئی ہے۔ مئی، جون، جولائی، یہی گرمی کے مہینے ہیں۔ دن بھر گھر میں لیٹا رہا اور آنے والوں سے باتیں کرتا رہا۔ مولانا محمد الیاس صاحب اور اُن کے فرزند و جانشین مولانا محمد یوسف صاحب کی تبلیغی جماعت کے کئی حضرات تشریف لائے۔ مجھے سب جماعتوں سے زیادہ یہ جماعت پسند ہے۔ اس جماعت نے خدمت کا ایک طریقہ اختیار کر لیا ہے اور اُس طریقے کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ تیسرے پہر ٹھیک ساڑھے تین بجے انجمن تعمیر اُردو کے دفتر پہنچا۔ دفتر اُردو بازار

ارونا پارک[1] میں واقع ہے۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی نے اِس انجمن کی بنا ڈالی تھی۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب۔ پروفیسر ہمایوں کبیر صاحب اور پنڈت زار صاحب زتشی کی سرپرستی میں کیفی صاحب کے انتقال کے بعد بھی انجمن چل رہی ہے۔ میر مشتاق احمد صاحب اس کے صدر ہیں اور پنڈت آنند موہن زتشی المعروف بہ گلزار صاحب جنرل سکرٹری۔

آج انجمن نے جوش صاحب ملیح آبادی اور خاکسار واحدی سے ملانے کے لئے دِلّی کے ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کو جمع کیا ہے۔ وہاں کچھا کچھ بھرا تھا۔ پنڈت تلوک چند صاحب محروم۔ پنڈت زار صاحب اور منور صاحب لکھنوی نے چار چار پانچ پانچ شعر پڑھے۔ پھر جوش صاحب نے ایک نظم سُنائی۔ میں نے بھی دِلّی کے ایک تاریخی مکان کا حال بیان کیا جو میری کتاب میرے زمانے کی دِلّی میں درج ہے۔

بعد مغرب پنڈت تیلو رام جی آئے۔ اُن سے باتیں کر کے میں قاری اخلاق حسین صاحب کے ہاں رات کا کھانا کھانے گیا۔ قاری صاحب نے بھائی محمد ادریس صاحب اور اُن کے بیوی بچّوں کو بھی مدعو کیا ہے۔ بھائی فضل احمد صاحب کے نواسے میاں تنویر حسین نے بھی ہمارے ساتھ کھانا کھایا۔

۳ رمئی ۱۹۵۹ء علی الصباح میری خالہ زاد بہن عزیز بیگم ملنے آئیں۔ اپنی جانہار بیٹی نصیر بانو سبزواری کا ذکر کرتی رہیں۔ نصیر بانو حج کرنے گئی تھیں۔ حج سے فارغ ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں پیغامِ اجل بھیج دیا۔

عزیز بیگم کے جاتے ہی حکیم عبد السّلام صاحب زئی اور قاضی محمد اکرام صاحب آگئے۔ پھر جعفری صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب کے ہمراہ چوہدری امراؤ سنگھ صاحب کے ہاں گیا۔ اُنھوں نے ناشتے کی دعوت کی ہے۔ ناشتہ کیا تھا کھانا تھا۔ مسز آصف علی، سالگ رام امن۔ لالہ راج۔ لالہ پرتاب سنگھ لوہے اور حکیم خلیل الرحمٰن بھی شریکِ ناشتہ تھے۔

گھر واپس پہنچا تو مفتی عتیق الرحمٰن صاحب۔ صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی صاحب اور خواجہ انیس حسن بقائی صاحب منتظر تھے۔ مفتی صاحب نے ترجمان السنّہ کے

[1] ارونا آصف علی کے نام سے منسوب

تینوں حصّے عطا فرمائے۔ اور فاروقی صاحب نے اپنا شائع کردہ قرآن مجید اور تجرید بخاری شریف (اُردو)

ترجمان السُّنہ ضخیم کتاب ہے۔ استاذ الحدیث مولانا محمد بدر عالم صاحب نے اُردو زبان میں ارشاداتِ نبوی کا جامع اور مستند ذخیرہ مع تشریح و مباحث جمع کر دیا ہے۔ ندوۃ المصنّفین دہلی، جس کے مفتی صاحب کرتا دھرتا ہیں بڑی معیاری کتابیں پیش کر رہا ہے۔

فاروقی صاحب کا شائع کردہ قرآن مجید بلاکوں کے ذریعہ چھپا ہے۔ تجرید بخاری کی بھی مجھے ضرورت تھی، انشاء اللہ اِن تمام عطیات سے میں فائدہ اُٹھاؤں گا۔

دوپہر کو نواب سیّد عزیز الشفیع صاحب تشریف لائے۔

دوپہر کا کھانا لالہ داتا رام کے ہاں کھایا۔ وہاں مسز آصف علی سے پھر ملاقات ہوئی۔ حضرت مولانا احمد سعید۔ مولانا محمد سعید، لالہ دارو غہ مل۔ لالہ کشمیری لال سہگل۔ خواجہ حسن ثانی نظامی۔ سیّد مطیع احمد۔ حکیم عبد السّلام زئی۔ لالہ ہیرا لال۔ مسٹر محمد عارف اسلم۔ اور مسٹر رشید خاں شریکِ طعام تھے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی اور حکیم عبد السّلام زئی مجھے گھر پہنچانے آئے اور دیر تک میرے پاس رہے۔

رات کا کھانا مسٹر معراج الحق کے ہاں کھایا۔ معراج الحق میرے عزیز ہیں اور مقتدیٰ واحدی کے گہرے دوست۔ ہائی کمشنر پاکستان کے دفتر سے اُن کا تعلق ہے۔ دفتر کے سپرنٹنڈنٹ فاروقی صاحب بھی شریکِ طعام تھے۔

معراج صاحب نے قاری اخلاق حسین صاحب کی طرح بھائی محمد ادریس صاحب کے بیوی بچّوں کو بلایا تھا۔ اُن کے علاوہ بھائی محمد اسحٰق صاحب کی اہلیہ اور میر مرتضیٰ علی مرحوم کی اہلیہ بھی آئی تھیں۔ مطیع احمد اور رئیس احمد، غرض دِلّی میں جتنے ننھیالی عزیز ہیں قریباً سب تھے۔

مسٹر معراج ڈیفنس کالونی کے ایک خوشنما بنگلے میں رہتے ہیں۔ ڈیفنس کالونی جامع مسجد سے کافی فاصلے پر ہے۔ کار ہمیں لے گئی اور پہنچا گئی۔

۴ مئی ۱۹۵۹ء آج صبح ساڑھے پانچ بجے قاری اخلاق حسین صاحب نے ہمدرد دواخانہ کی کار بھیج دی تھی۔ اُس میں حکیم عبدالسّلام صاحب، سید محمد جعفری صاحب، میاں مطیع احمد اور میاں مقتدیٰ واحدی کے ساتھ درگاہ حضرت سلطان المشائخ حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ حسن نظامی کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ میں سجدۂ تعظیمی کا قائل نہیں ہوں، لیکن جناب سالک نظامی کا یہ شعر بے اختیار زبان پر آگیا ؎

کاش سجدے میں دم نکل جائے   پھر ترا آستاں ملے نہ ملے

خواجہ صاحب کے بعد حضرت امیر خسرو اور حضرت سلطان المشائخ کے مزارات پر مقررہ ترتیب کے مطابق فاتحہ خوانی کی۔ پھر خواجہ حسن ثانی نظامی کے ساتھ ناشتہ کیا اور انھیں کار میں ساتھ بٹھایا اور اوکھلا نہر پہنچا۔ وہ پیڑ دیکھا جس کے نیچے مولانا راشد الخیری، مولانا عارف ہسوی اور خواجہ فضل احمد رشید کے ساتھ اتوار کے اتوار جا کر بیٹھا کرتا تھا۔ میں نے مولانا راشد الخیری کی شام زندگی جب شائع کی ہے تو اُس کا جشن یہیں منایا گیا تھا۔ اوکھلے سے جامعہ نگر آیا اور حافظ فیاض احمد صاحب پانی پتی سے ملا۔ حافظ صاحب عربک ہائی اسکول میں میرے ہم جماعت رہ چکے ہیں۔ دمے نے نڈھال کر رکھا تھا۔ لیکن مجھے دیکھ کر زندگی لہرا گئی۔

گھر لوٹا تو لالہ ست نرائن صاحب گڑوالے گھنٹہ بھر سے منتظر تھے۔ گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ اور بیٹھے۔ ان کا خاندان میرے لڑکپن تک دلی کے دولت مند ترین خاندانوں میں تھا اور اس خاندان کی اتنی عزت تھی کہ ست نرائن جی کے والد چار گھوڑوں کی بگّی (چوکڑی) میں نکلا کرتے تھے۔ اور کسی کو چوکڑی میں نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔

دوپہر کا کھانا بھائی محمد اسحٰق صاحب کے ہاں کوچہ چیلان میں کھایا۔ کینیے

کی طرف سے یہ تیسری دعوت تھی۔ کینیے کے عورت، مرد جمع تھے۔

بھائی محمد اسحٰق صاحب کے ہاں سے دفتر شمع گیا۔ حافظ محمد یوسف صاحب مالک شمع شام کو الٰہ آباد جانے والے ہیں۔ اُن کی واپسی سے پہلے یعنی پرسوں میں دلی سے رخصت ہو جاؤں گا اس لئے رخصتی ملاقات کرنی تھی۔

شام کا کھانا اسرار حسن خاں صاحب کے ہاں کھایا۔ اسرار حسن خاں صاحب میاں مقتدیٰ واحدی کے اُستاد ہیں۔ علی مقتدیٰ واحدی اور اُن کے بڑے بھائی احمد مجتبیٰ واحدی کو کئی سال مسلسل پڑھایا تھا اور ایک دم پانچویں میں داخل کروا دیا تھا۔ میرے بچے انھیں چچا میاں کہتے ہیں۔ بھائی محمد ادریس صاحب وغیرہ کئی صاحبان شریکِ طعام تھے۔

۵ مئی ۱۹۵۹ء صبح کا ناشتہ انور صاحب، مینیجر شمع بک ڈپو کے ہاں کیا۔ خواجہ انیس حسن صاحب بقائی۔ خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب۔ مولانا محمد سعید صاحب۔ اسرار حسن خاں صاحب۔ پیرزادہ عبداللہ فاروقی صاحب۔ پیرزادہ عبدالحق فاروقی صاحب۔ توفیق قادری صاحب۔ لالہ کدار ناتھ صاحب۔ نجم صدیقی صاحب (ایڈیٹر چمنستان) شریکِ ناشتہ تھے۔

روپ نرائن صاحب، سکرٹری پرجا سوشلسٹ پارٹی صوبہ دہلی انور صاحب کے ہاں مجھ سے ملنے تشریف لائے۔ میں تھوڑی دیر اُن کے مکان میں جا کر بیٹھا۔ یہ خالص ہندوؤں کا محلّہ ہے۔ مسلمان صرف انور صاحب ہیں لیکن انور صاحب سے ہندوؤں کے اچھے تعلقات ہیں۔

دوپہر تک خواجہ حسن ثانی نظامی میرے پاس رہے۔ دوپہر کا کھانا مولانا احمد سعید صاحب کے ہاں تھا۔ خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب۔ جعفری صاحب۔ لالہ شام ناتھ صاحب۔ مفتی شوکت فہمی صاحب، صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی صاحب۔ بھائی محمد ادریس صاحب اور حکیم عبدالسّلام صاحب شریکِ طعام تھے۔ کھڑے کھڑے

مرزا سلیمان جاہ کی پوتی تیمور جہاں بیگم صاحبہ سے ملا۔ وہ مولانا احمد سعید صاحب کی پڑوسن ہیں۔ کئی روز سے مجھے بلا رہی تھیں۔

شام کو میونسپل کارپوریشن گیا۔ جعفری صاحب ساتھ تھے۔ میونسپل کارپوریشن میں آج مولانا ابوالکلام آزاد کی تصویر کی نقاب کشائی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو ریسپشن بھی دیا گیا تھا۔ خوب بہار رہی مگر ؎

لطفِ بہار کچھ نہیں، گو ہے وہی بہار دل کیا اُجڑ گیا کہ زمانہ اُجڑ گیا

تاہم

تھے کچھ ایسے بھی نقشِ پا جن سے خاک سی چیز مسکراتی تھی

۶ مئی ۱۹۵۹ء آج دلّی سے روانگی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں گیا تھا تو یہ خیال نہیں تھا کہ دلّی کبھی نہیں آؤں گا، چنانچہ آگیا۔ لیکن آج یہ خیال چٹکیاں لے رہا ہے کہ دلّی اب نہیں دیکھ سکوں گا۔ پہلا پھیرا ساڑھے گیارہ سال میں کیا ہے تو دوسرا پھیرا کیا جلدی ہوا جاتا ہے اور ؎

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

ہر شخص کی طرف اس طرح حسرت سے نگاہ اٹھتا ہوں، جیسے مرتے وقت اس کے آخری دیدار کر رہا ہوں ؎

گو نہیں طاقت فغاں لیکن ولولے دل میں ہیں بلا کے ابھی

صبح ہوا خوری کرتا سُنّی مجلس اوقاف کے دفتر چلا گیا تھا۔ بچوں کے گھر کے مہتمم سید محمد فاروق صاحب نے بچوں کا گھر دکھایا۔ سنّی مجلس اوقاف کے یتیم خانے کو یتیم خانہ نہیں کہتے، بچوں کا گھر کہتے ہیں۔ یہ نام اُس زمانے کا رکھا ہوا ہے جب میں سُنّی مجلس اوقاف کا ممبر تھا۔

نو بجے مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب، مہتمم مدرسہ امینیہ اور مولوی عبدالحمید صاحب، ایڈیٹر مولوی تشریف لائے۔ دس بجے خواجہ محمد ہلال صاحب قطبی اور

حکیم عبدالسّلام صاحب زئی کو ساتھ لے کر مولانا احمد سعید صاحب اور سردار دیوان سنگھ صاحب سے رخصتی ملاقات کرنے اور چاندنی محل کی پولس چوکی میں واپسی کی رپورٹ لکھوانے گیا۔

چاندنی محل کے برابر میں رنگ محل ہے، جس میں پرنس خیرالدین رہا کرتے تھے۔ رنگ محل کا راستہ دوسری طرف سے ہے۔ رنگ محل کے مردانہ صحن میں گھاس کے مخملی فرش کی بجائے اُپلوں کے انبار تھے۔ دیواریں بھی اُپلوں سے آراستہ تھیں۔

شام کو خان بہادر حبیب الرحمٰن صاحب کی کوٹھی دیکھنے لڈلو کیسل گیا۔ اس کے دروازے پر ایک جانب رائے بہادر گوجرمل مودی کندہ ہے اور دوسری طرف مودی ہاؤس، کوٹھی کی حالت خراب نہیں پائی۔ بس خان بہادر اور رائے بہادر کا فرق ہے یا حبیب الرحمٰن اور گوجرمل کا۔

شام تک کرم فرما ملنے آتے رہے۔ رات کے ساڑھے نو بجے حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد) صاحبزادہ مستحسن فاروقی صاحب (آستانہ) لالہ شمبھو ناتھ صاحب (دلّی پرنٹنگ ورکس) مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب (مدرسہ امینیہ) مولانا سجاد حسین صاحب (مدرسہ فتحپوری) مفتی شوکت فہمی صاحب (دین و دنیا) مولوی عبدالحمید صاحب (مولوی) الوبصاحب (شمع بک ڈپو) پیرزادہ عبداللہ فاروقی صاحب (خاتونِ مشرق) خواجہ ہلال صاحب قطبی۔ خواجہ انیس حسن صاحب بقائی خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب۔ منشی عبدالقدیر صاحب۔ رشید خاں صاحب۔ اسرار حسن خاں صاحب۔ عبدالودود خاں صاحب۔ سید محمد جعفری صاحب۔ قاری اخلاق حسین صاحب۔ حکیم عبدالسّلام صاحب زئی۔ معراج الحق صاحب۔ قاری جلال صاحب۔ مطیع احمد صاحب۔ رئیس احمد صاحب۔ نثار احمد صاحب فاروقی اور شاہد صاحب نے اسٹیشن تشریف لا کر رخصت کیا اور ریل لاہور روانہ ہوگئی۔

۷ مئی ۱۹۵۹ء ٹکٹ فرسٹ کلاس کے خریدے ہیں۔ فرسٹ کے مسافر کو

چک پوسٹ کے کٹہرے میں نہیں جانا پڑتا۔ چیکر خود آتا ہے اور ڈبے کے آگے سامان اُتروا کر چیک کر لیتا ہے۔ چک پوسٹ کے چیکر سیکنڈ اور تھرڈ دونوں کو ایک لکڑی سے ہانکتے ہیں۔ فرسٹ کا چیکر اونچی حیثیت کا ہوتا ہے۔ فرسٹ کے ٹکٹ خریدنے سے امرتسر کا چیکنگ نہایت اطمینان کا رہا۔ لاہور میں چک پوسٹ کے اندر فرسٹ کے مسافر کو بھی جانا پڑتا ہے لیکن تکلیف اب کے یہاں بھی نہیں ہوئی۔

لاہور گاڑی گیارہ بجے پہنچی تھی، سخت گرمی کے وقت۔ مگر پرنس خیرالدین صاحب، میرے بھائی فضل احمد صاحب اور میاں ممتاز احمد (میرے بھانجے) اسٹیشن پر موجود تھے۔ پرنس نے بتایا کہ بھائی فضل احمد مرتے مرتے بچے ہیں، سخت بیمار ہو گئے تھے۔

میں ممتاز احمد کے ساتھ گلبرگ گیا اور کھانا کھا کر تین گھنٹے سویا۔ سو کر اُٹھا تو حرارت سی تھی۔ پرنس نے شام کے کھانے پر بلایا ہے۔ انھیں فون کر دیا کہ آؤں گا لیکن کھانا نہیں کھاؤں گا۔ صرف لسّی پیوں گا اور میز کے قریب پلنگ کے اوپر لیٹا رہوں گا۔

۸ رمئی ۱۹۵۹ء طبیعت گری گری ہے۔ جمعہ کی نماز پرنس خیرالدین کے ساتھ درگاہ حضرت داتا گنج بخشؒ میں پڑھی۔

شام کو ماجد میاں ابن مولوی عبدالحمید صاحب، ایڈیٹر مولوی کے ہاں دعوت تھی۔ اِس دعوت کو دِلّی ہی میں منظور کر چکا تھا۔ چنانچہ پرنس خیرالدین صاحب، خواجہ فضل احمد صاحب، قاضی عبدالواحد صاحب اور میاں مقتدیٰ واحدی کے ساتھ گیا اور میز پر بیٹھا دہی کی لسّی پیتا رہا اور کھانے کو نظر لگاتا رہا۔

۹ رمئی ۱۹۵۹ء سفر کے سہم سے بھوک ویسے بھی غائب ہو جاتی ہے۔ ۶ رمئی کو دِلّی سے چلتے وقت کھانا نہیں کھایا تھا، ۷ر کو ناشتہ بھی نہیں کیا۔ گلبرگ میں ۷ر کی دوپہر کو کھانا کھایا اور پھر ۷ر کی شام سے ۹ر کی دوپہر تک یا لسّی پیتا رہا یا شربت روح افزا، جس کی چار بوتلیں حکیم عبدالحمید صاحب دِلّی ریلوے اسٹیشن اور لیتے آئے تھے۔ ۹ر کی سہ پہر کو لاہور سے کراچی کا سفر شروع کیا تو پرنس خیرالدین

نے کئی درجن مالٹے ساتھ کر دیئے، وہ راستے بھر چوستا رہا۔

۱۰ رمئی ۱۹۵۹ء لاہور سے پھر انٹر کلاس کی سیٹیں ریزرو کرائی تھیں۔ جاتے ہوئے آرام ملا تھا، آنے میں اُس کا بدلہ اُتر گیا۔ انٹر کلاس ہو یا فرسٹ کلاس آرام اور تکلیف سفر کے ساتھیوں پر منحصر ہے۔ آپ نے فرسٹ کلاس کے مارواڑی مسافروں کو گندگی پھیلاتے بارہا دیکھا ہوگا۔

دو میاں بیوی اور اُن کے بچے بالکل ہمارے سامنے بیٹھے تھے۔ اُن کے ساتھ مختلف پودوں کا انبار تھا جنھیں وہ پانی دے رہے تھے۔ ہم اپنا اسباب نیچے نہیں رکھ سکے۔ ایک برتھ بھی سونے کے خیال سے ریزرو کرایا تھا، اُسے اسباب کی نذر کیا اور اٹھارہ انیس گھنٹے خدا معلوم کس طرح کاٹے۔ صحبتِ ناجنس عذاب ست الیم۔

خیر بارہ بجے گاڑی نے کراچی میں دم لیا اور میرے دم میں دم آیا۔ مسٹر محمد یامین، مسٹر لطیف الرحمٰن صدیقی، احمد مجتبیٰ واحدی اور اُن کے بچے اور شریف صاحب، شاکرہ اور اُن کے بچے اور سنجیدہ واحدی، موسیٰ واحدی اور عیسیٰ واحدی اور مسٹر فرید مرزا نے اسٹیشن پر استقبال کیا۔

آج آرام لوں گا اور کل سے کام کروں گا۔ وہ کام جو سرمایۂ آخرت ہے۔ اٹھائیس دن کام نہیں کیا۔ زندگی میں خلا سا محسوس ہو رہا ہے۔

دِلّی اور لاہور کے احباب کا شکریہ۔ حضرت خواجہ حسن نظامی کے توسط سے دو چار مرتبہ بڑی بڑی جگہ مہمان رہنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن خود مہمان بننے کا یہ پہلا موقع تھا۔ مقتدیٰ واحدی نے میرے توسط سے دیکھ لیا کہ مہمان نوازی کس شے کا نام ہے۔ مجھ جیسے معمولی انسان کو خصوصاً اہلِ دہلی نے اس قدر نوازا کہ اُس کا تصور کرتا ہوں تو شبہ ہونے لگتا ہے کہ میں نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا۔

م۔ا۔ واحدی نے مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی میں چھپوا کر دفتر نظام المشائخ ۱۳۳ جیکب لائنز کراچی سے شائع کیا